المدخل

فی اصول الحدیث

تالیف الأمام الحاکم ابي عبد الله محمد بن عبد الله الحافظ

البیع النیسابوری المتوفی سنة ٤٠٥

رحمه الله تعالیٰ

تبصرہ بر

المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری

جو علمِ اصولِ حدیث کی بہت سی نادر اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے

از

محقق العصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہٗ

باهتمام

ڈاکٹر محمد عبد الرحمٰن غضنفر

مؤسس و مدیر

الرحیم اکیڈمی

اے ۷/۱، عظیم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد، کراچی ۱۹

الف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد

اس ناکارہ کے قلم سے زندگی میں جو پہلا مضمون نکلا، وہ امام حاکم نیشاپوری، صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالہ المدخل فی اصول الحدیث پر ایک علمی اور تحقیقی تبصرہ تھا، جس میں اس کے مباحث پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ تبصرہ ہندوستان کے مشہور علمی ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کے مؤقر ماہنامہ برہان کی مسلسل چھ قسطوں میں (محرم الحرام سنہ ۱۳۶۱ ہجری سے لے کر جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۶۱ھ تک) شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچا رہا، حق تعالی کا شکر ہے کہ علماء نے اس کو تحسین کی نظر سے دیکھا۔

یہ مقالہ ہم نے آج سے پچاس سال پہلے سپرد قلم کیا تھا۔ اس عرصہ میں علم اسماء الرجال، اور فن اصول حدیث پر بہت سی نادر کتابیں جو اب تک قلمی کتاب خانوں کی زینت تھیں طبع ہو کر منظر عام پر آئیں لیکن ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس پر کہیں نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہ کی، فالحمد للہ علی ذلک۔

اب برادر عزیز محمد عبد الرحمن غضنفر سلمہ اللہ تعالی کا ارادہ ہے کہ اس مقالہ کو مستقل صورت میں علیحدہ شائع کیا جائے تاکہ اس کا افادہ عام ہو، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل سے مقالہ نگار اور ناشر دونوں کی سعی کو اس باب میں قبول فرمائے، اور قارئین کو اس سے زیادہ سے زیادہ نفع بخشے آمین

محمد عبد الرشید نعمانی

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۱ ہجری، یوم سہ شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

محقق العصر برادر معظم علامی حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دہلی، اور رکن مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن، و سابق استاذ دار العلوم اشرف آباد ٹنڈو الہیار و سابق استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، و سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات جامعہ اسلامیہ بہاولپور، و حال مشرف درجہ التخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی مدظلہ العالی، علمی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی متعدد بلند پایہ علمی تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اور علمی کتب خانوں کی زینت ہیں۔

اردو زبان میں "لغات القرآن" ادارہ ندوۃ المصنفین نے شائع کی۔ اور پھر پاکستان میں لاہور اور کراچی میں متعدد ناشرینِ کتب نے کتاب کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بغیر مصنف کی اطلاع کے متعدد بار اس کو شائع کیا۔

آپ کی دوسری بلند پایہ علمی تصنیف "ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ" کراچی، لاہور اور قطر سے شائع ہو چکی ہے۔

سندھی ادبی بورڈ کراچی (حال حیدرآباد) نے متعدد سندھی علماء کی تصانیف کو آپ کی تحقیق و تصحیح و مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے جو نہایت اعلیٰ علمی تحقیقات اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔ یہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) الدراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب از مخدوم ملا معین سندھی۔

(۲) ذب ذبابات الدراسات عن المذاہب الاربعۃ المتناسبات

از مخدوم ملا عبد اللطیف سندھی۔

(۳) مقدمہ کتاب التعلیم از شیخ الاسلام مسعود بن شیبہ سندھی۔

علاوہ ازیں ناصبیت کے رد میں آپ کے متعدد رسالے برادر معظم مظفر لطیف مدظلہ نے مکتبہ اہلِ سنت والجماعت" سے طبع کر کے شائع کئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) یزید کی شخصیت اہلِ سنت کی نظر میں۔

(۲) شہدائے کربلا پر افتراء

(۳) اکابر صحابہ پر بہتان۔

علاوہ ازیں برادر معظم مدظلہ کے بہت سے علمی مقالات ہیں جو ہند و پاک کے متعدد علمی مؤقر ماہناموں میں شائع ہو کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں پہنچ کر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

اس وقت ہم ناظرین کی خدمت میں برادر معظم اطال اللہ بقاءہ کا وہ قیمتی اور علمی مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو سب سے پہلے ان کے قلم سے نکلا اور ہند کے موقر علمی ماہنامہ "برہان" کے صفحات کی زینت بنا۔ اس مقالہ کا اہلِ علم نے جس طرح استقبال کیا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ شارح صحیح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جب "ندوۃ المصنفین" قرول باغ دہلی میں اس مقالہ کی اشاعت کے بعد پہلی بار تشریف لائے۔ اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم نے مقالہ نگار کا تعارف کرایا تو علامہ محدث نے برادر معظم سے یہ کہہ کر مصافحہ کیا کہ "اچھا آپ ہیں صاحب المدخل"۔ اور مشہور مصنف اور نامور عالم مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اس مقالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر "برہان" کے نام جو مکتوب لکھا تھا، اس کی حسب ذیل عبارت خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے جس سے اس مقالہ کی علمی عظمت کا پتہ چلتا ہے:۔

"بھئی یہ مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی تو بڑے چھپے رستم نکلے اللہ تعالیٰ ان کے علم و افاضہ میں برکت دے۔ اس قسم کے علمی اور تحقیقی مضامین دیکھ کر گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ بزرگوں کے جانے کے بعد ان کی خصوصیات کے وارث انشاء اللہ رہیں گے۔ میں تو چونکہ کتابوں کی دنیا سے الگ ہو کر ایک جاہل منشی رہا ہوں، تصنع نہ سمجھئے واللہ اپنے متعلق میرا احساس اس بارے میں یہی ہے مگر اس سے کچھ زیادہ رنجیدہ نہیں ہوں اس لئے اس قسم کے مضامین سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ خود تو کتابیں دیکھنے کی اب توفیق ہوتی نہیں البتہ اس طرح دوسروں کا پکا پکایا بس کھانے کو مل جاتا ہے اس پر اگر شکر ادا نہ کروں اور دعائیں نہ دوں تو کافر نعمت ہی ہوں گا"۔ والسلام اخوکم محمد منظور النعمانی عفا اللہ عنہ مورخہ ۲۲ ربیع الاول ۶۱ھ

حضرت علامہ مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ مؤلف فیض الباری، دار العلوم ٹنڈو الٰہ یار سندھ پاکستان کے سالِ اول کی سالانہ روئیداد ۷۰-۱۳۶۹ھ میں برادرِ معظم حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا محمد عبد الرشید صاحب! آپ تاریخ وحدیث و رجال اور بعض دیگر فنونِ حدیث میں غیر معمولی قابلیت کے مالک ہیں اور اس موضوع کے کتب مخطوطہ و مطبوعہ پر عالمانہ نظر رکھتے ہیں۔ محنتی سادہ مزاج اور مستعد عالم ہیں۔ قرآن کے مشکل مقامات لغات اور تاریخی شواہد پر مفسرانہ عالمانہ اور مورخانہ انداز میں آپ نے لغات القرآن کے نام سے تصنیف کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس کی دو جلدیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ دار العلوم الاسلامیہ میں کتب خانے کے ناظمِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہیں۔

تاریخِ حدیث و تاریخِ علوم وغیرہ پر امالی (لیکچر) کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ عربی درسگاہوں میں اُن عنوانات پر امالی کا افتتاح ایک مفید اور درسِ نظامی میں ایک نیا اقدام ہے۔

حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہٗ (داماد و تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیری) مقدمہ انوار الباری شرح صحیح بخاری (ج ۲ ص ۲۹) تذکرۂ محدثین میں برادرِ معظم دام ظلہ کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں:۔

العلامۃ المحدث الادیب الفاضل مولانا محمد عبد الرشید نعمانی دام ظلھم مشہور مصنف، محقق محدث، جامع معقول و منقول ہیں۔ آپ نے نہایت مفید علمی تصانیف فرمائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

لغات القرآن - امام ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث، ما تمس الیہ الحاجۃ (مقدمہ ابنِ ماجہ) التعقبات علی الدراسات، التعلیقات علی ذب ذبابات الدراسات، التعلیق القویم علی مقدمۃ کتاب التعلیم، مقدمۃ موطا امام محمدؒ (مترجم)، مقدمہ مسند امام اعظم (مترجم)، مقدمہ کتاب الآثار (مترجم)۔ آپ کی تمام کتابیں گہری ریسرچ کا نتیجہ اور اعلیٰ تحقیق کی حامل ہیں۔ مقدمات و تعلیقات میں آپ کے تحقیقی افکار، علامہ کوثریؒ کے طرز سے ملتے جلتے ہیں، اسی لئے آپ کی صراحت پسندی اور بے باک تنقید کچھ طبائع پر شاق ہو گئی ہے، لیکن اہلِ بصیرت اور انصاف پسند حضرات آپ کی تلخ نوائی و جرأتِ حق گوئی کی مدح و ستائش کرتے ہیں۔ متعنا اللہ بطول حیاتہ النافعۃ۔

علماء کی ان تصریحات کے بعد اب ہم اپنے ناظرین اور کتاب کی علمی تحقیقات کے درمیان حائل ہونا نہیں چاہتے، پڑھئے اور فائدہ اٹھائیے کیونکہ

مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

البتہ قارئینِ کرام کی خدمت میں اتنا التماس ضروری ہے کہ اگر اس کے مباحث پسند آئیں تو ناشر اور مقالہ نگار کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں۔

غرض نقشے است کز ما یاد ماند ۔ کہ ہستی را نمی بینم بقائے

مگر صاحبدلے روزے برحمت کند برحال ایں مسکیں دعائے

الفقیر الی اللہ تعالیٰ محمد عبد الرحمٰن غضنفر غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

تبصرہ بر

المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری

از

محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

باھتمام

ڈاکٹر محمد عبدالرحمن غضنفر

مؤسس و مدیر

الرحیم اکیڈمی

اے ۷/۷، عظیم نگر پوسٹ آفس، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مطبعة الافریشیا کراتشی - محرم الحرام سنة ۱۴۱۱ھ

المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری

مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی رفیق ندوۃ المصنفین

امام ابو عبداللہ حاکم م (۳۲۱ھ ۔ ۴۰۵ھ) کا نام علمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حافظ ذہبی نے اپنی مشہور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے، "الحاکم الحافظ الکبیر امام المحدثین"۔

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبری میں ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔

اتفق علی امامتہ وجلالتہ وعظمۃ قدرہ	ان کی امامت وجلالت وعظمت شان پر اتفاق کیا گیا ہے۔

حافظ عبدالغافر بن اسماعیل کا بیان ہے۔

ابو عبداللہ الحاکم ھو امام اھل الحدیث	ابو عبداللہ حاکم اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے
فی عصرہ العارف بہ حق معرفتہ۔	اور حدیث کے عالم جیسا کہ اسکی معرفت کا حق ہے۔

ان کی تصانیف کے متعلق فرماتے ہیں۔

ومن تامل کلامہ فی تصانیفہ و	جو شخص بھی ان کی تصنیفات میں ان کے بیان پر غور
تصرفہ فی امالیہ اذعن بفضلہ	کریگا اور امالی میں ان کے تصرف کو دیکھیگا وہ ان کی
واعترف لہ بالمزیۃ علی من	بزرگی کا یقین کریگا اور متقدمین پر ان کی فضیلت کا
تقدمہ واتعابہ من بعدہ	معترف ہوگا۔ اور یہ مان جائیگا کہ انھوں نے متاخرین
وتعجیزہ اللاحقین عن بلوغ شأوہ	اور بعد کے لوگوں کو اپنی حد تک پہنچنے سے عاجز و درماندہ
عاش حمیدا ولم یخلف فی وقتہ	کردیا۔ ان کی زندگی سراسر تعریف کے قابل گزری اور

مثلہ۔ ؎۵۱ اپنے زمانے میں انھوں نے اپنا جیسا کسی کو نہ چھوڑا۔

ان کی تصانیف میں سے مستدرک علی الصحیحین عرصہ ہوا طبع ہو چکی۔ اصولِ حدیث پر ان کی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث بھی شائع ہوئی، اسی موضوع پر ان کی دوسری تصنیف المدخل فی اصول الحدیث بھی حلب سے چھپ کر آئی۔ طباعت کی ان خوبیوں کو لئے ہوئے جن پر مصر و بیروت کے بہترین مطابع رشک کریں ضروری تحشی کے ساتھ صحت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم اسماءِ رجال میں بعض جگہ تحریف ہو گئی ہے۔

ذیل کے مقالہ میں المدخل کے مباحث پر ہم نے ایک تحقیقی نظر ڈالی ہے جو حدیث۔ اصولِ حدیث رجال و تاریخ کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اس میں حاکم کے بیانات سے بہت سی جگہ اختلاف کیا گیا ہے۔ لیکن جو دعویٰ کیا ہے اس کی دلیل بھی مستند کتابوں سے نقل کر دی ہے۔ اور اس میں کافی سعی کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے پوری تحقیق سے لکھا جائے۔

مدخل کی اہمیت کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مگر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اربابِ رجال نے جہاں حاکم کی اور بڑی بڑی تصانیف مثلاً مستدرک علی الصحیحین۔ تاریخ نیساپور وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں المدخل کا ذکر بھی ضروری خیال کیا۔ حالانکہ وہ کسی مصنف کے ترجمہ میں اسکی تمام تصنیفات کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اکثر صرف ان تصنیفات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو کسی خصوصیت اور اہمیت کی حامل ہوں۔ چنانچہ حاکم ہی کی دوسری متعدد تصانیف کا ذکر رجال کی بیشتر کتابوں میں نظر انداز کر دیا گیا۔ اس سے ان کے قلوب میں اس رسالہ کی عظمت و وقعت کا پتہ چلتا ہے۔ بعد میں اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس رسالہ کے مباحث کے متعلق رداً و قبولاً بڑے بڑے مباحث پیدا ہو گئے اور اصولِ حدیث کی کوئی قابلِ ذکر کتاب ایسی نہیں جس میں اس کتاب کے مسائل سے اعتنا نہ کیا گیا ہو۔

المدخل کوئی علیحدہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ درحقیقت یہ حاکم کی مشہور تصنیف الاکلیل فی الحدیث کا

؎۵۱ حافظ عبد الغافر کے یہ دونوں اقوال تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۱ و ص ۲۳۲ ج ۳ میں مذکور ہیں۔

مقدمہ ہے جو اس کتاب کی تصنیف کے بعد لکھا گیا۔ اکلیل حاکم کی ایک بڑی بسوط اور جامع کتاب ہے جو ہر قسم کی روایات سے مالا مال ہے۔ اس کی تصنیف کے اختتام پر امیر مظفر نے حاکم سے درخواست کی تھی کہ اکلیل کی احادیث مرویہ کے متعلق اگر یہ اشارہ کردیا جائے کہ اس میں کونسی صحیح اور کونسی ضعیف ہیں تو زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ حاکم نے بطور مقدمہ کے کچھ مسائل علیحدہ رسالہ کی شکل میں قلمبند کردیئے اور اس رسالہ کا نام المدخل الی معرفتہ الصحیح والسقیم من الاخبار رکھا۔

المدخل میں حاکم نے حدیث صحیح کے متعلق بحث کی ہے اور اس کی دس قسمیں قرار دی ہیں ۵ متفق علیہ اور ۵ مختلف فیہ پھر جرح پر گفتگو کی ہے اور مجروحین کے بھی ۱۰ طبقات قائم کئے ہیں اور ان دونوں مباحث پر ایسی مفصل روشنی ڈالی ہے جس سے اصولِ حدیث کی عام مطبوعہ کتابیں یکسر خالی ہیں۔ رسالہ کے اخیر میں اکلیل کی احادیثِ مرویہ کے متعلق ان امور کا ذکر کیا ہے جن سے ہر حدیث کے متعلق معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف اور صحیح ہے تو کس درجہ کی۔

واضح رہے کہ المدخل نام کی حاکم کی دو کتابیں ہیں ایک یہی زیر بحث رسالہ دوسری تصنیف کا نام ہے المدخل الی معرفتہ الصحیحین علامہ محمد راغب طباخ نے لکھا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ حلب کے تکیہ اخلاصیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۵۵ ورق کا ہے مگر اخیر سے کچھ قبل کے دو تین اوراق ضائع ہوگئے ہیں کتاب کی ابتدا میں حفظِ سنت کے بارے میں جو آثار مروی ہیں اور جھوٹی حدیث بنانے کے متعلق جو وعید آئی ہے اس کا بیان ہے پھر ان لوگوں کے نام بتائے ہیں جنکا صحیحین یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ذکر ہے پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن سے بخاری نے روایتیں کی ہیں اور ان سے منکر حدیثیں سُنی ہیں۔ غرض یہ کتاب اسی قسم کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر مباحث الجمع بین رجال الصحیحین مصنفہ حافظ محمد بن طاہر مقدسی میں موجود ہیں۔ کتاب مذکور حاکم کی کتاب سے زیادہ بسوط اور وسیع معلومات پر مشتمل ہے۔ اور ۱۳۲۳ھ ہجری میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔

حاکم کا تساہل اور تعصب حاکم کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اولاً ان کا نقد و نظر میں تساہل، ثانیاً تعصب۔ ان کا تساہل تو ایک متعارف چیز ہے مگر تعصب پر ممکن ہے ظاہر اپنوں کو یقین نہ آئے لیکن یہ صرف ہمارا بیان نہیں بلکہ ائمۂ فن کی تصریح ہے۔ حافظ عبدالرحمٰن بن جوزی نے بسند صحیح حافظ اسمٰعیل بن ابی الفضل قوسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

انبأنا ابو زرعۃ طاہر بن محمد بن طاہر المقدسی عن ابیہ قال سمعت اسماعیل بن ابی الفضل القوسی وکان من اہل المعرفۃ بالحدیث یقول۔

ثلاثۃ من الحفاظ لا احبھم لشدۃ تعصبھم	حدیث کے تین حافظ ہیں جن کو میں اس لئے نہیں پسند کرتا کہ
وقلۃ انصافھم الحاکم ابو عبداللہ وابو نعیم	ان میں سخت تعصب اور انصاف کی کمی ہے ایک حاکم
الاصبھانی وابوبکر الخطیب [1]	ابو عبداللہ دوسرے ابونعیم اصفہانی اور تیسرے ابوبکر خطیب

حافظ ابن الجوزی اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وصدق اسمٰعیل وکان من اہل المعرفۃ" حافظ اسمٰعیل کو ان بزرگوں کی وسعتِ علم علوِ منزلت اور حفظِ حدیث سے انکار نہیں لیکن ان کی ذاتی کمزوری کی بنا پر ان سے محبت کا اظہار مناسب نہیں خیال کرتے۔ ممکن ہے کہ خوش اعتقادوں کو اس پر استعجاب ہو مگر درحقیقت یہ انسان کی وہ پوشیدہ کمزوری ہے جس پر بڑے بڑوں کا قابو پا لینا آسان کام نہیں وان ذلک من عزم الامور۔

المدخل میں بھی ائمۂ احناف کا جس طریقہ پر ذکر کیا ہے اس سے حافظ اسمٰعیل کے بیان کی توثیق ہو جاتی ہے ضعفاء سے روایت کے باب میں جہاں ائمہ کا نام لیا ہے امام مالکؒ کا ذکر اس عظمت شان کے ساتھ کیا ہے: "وھذا مالک بن انس امام اہل الحجاز بلا مدافعۃ" اسی طرح امام شافعیؒ کا نام لینے کے بعد لکھتے ہیں: "وھو الامام لاہل الحجاز بعد مالک" لیکن امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے صرف نام بتانے پر اکتفا کی ہے چنانچہ

---

[1] معجم الادباء ص ۲۶ ج ۲ طبع مصر

تحریر ہے "وھذا ابو حنیفۃ" "ثم بعدہ ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم القاضی ومحمد بن الحسن الشیبانی"۔

اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم مروزی پر جو امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء میں خاص امتیاز رکھتے ہیں وضع حدیث کا الزام لگایا ہے اور ایک مجہول شخص کے بیان سے استدلال کیا ہے۔

المدخل کی ابتداء | ابتداءِ کتاب میں فضائلِ علمِ حدیث کے متعلق علماء کے اقوال درج کئے ہیں پھر مطرو وراق امام زہریؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام سفیان ثوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اکثروا من الاحادیث فانہا سلاح — یعنی حدیثیں کثرت سے معلوم کرو کیونکہ وہ ہتھیار ہیں۔

پھر امام باقرؒ سے روایت کی ہے کہ

من فقہ الرجل بصرہ بالحدیث۔ — حدیث میں بصیرت انسان کی فقاہت کی دلیل ہے۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ جو شخص حدیث طلب کریگا اس کے چہرہ پر شادابی نمودار رہیگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فیض بنیاد ہے۔

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا — اللہ اس شخص کو سرسبز رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی

فبلغہ۔ — اور اس کی تبلیغ کی۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"یہ مسانید جو اسلام میں تصنیف ہوئیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مرویات ہیں۔ ان کا سلسلہ سند معتبر اور مجروح ہر قسم کے رواۃ پر مشتمل ہے جیسے مسند عبید اللہ بن موسیٰ اور مسند ابی داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی، یہ دونوں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں تراجم رجال پر مسند تصنیف کیں۔ ان دونوں کے بعد احمد بن حنبلؒ اسحٰق بن ابراہیم حنظلی، ابو خیثمہ زہیر بن حرب، اور عبید اللہ بن عمر القواریری نے مسانید لکھیں پھر تو کثرت سے تراجم رجال پر مسانید کی تخریج ہوئی ان سب کو جمع کرنے میں صحیح و سقیم کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

مسانید کے متعلق حاکم نے جو رائے ظاہر کی صحیح ہے تاہم مسند احمد اس عموم سے مستثنیٰ ہے علامہ امیر یمانی توضیح الافکار میں لکھتے ہیں۔

حکی النجم الطوفی عن العلامۃ تقی الدین بن تیمیۃ انہ قال اعتبرت مسند احمد فوجدتہ موافقاً لشرط ابی داؤد۔ [1]

نجم طوفی نے علامہ تقی الدین ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے مسند احمد کو جانچا تو اس کو ابوداؤد کی شرط کے موافق پایا۔

یہ صرف علامہ ابن تیمیہ ہی کی رائے نہیں بلکہ علامہ مغلطای اور حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بھی مسند احمد پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابوزرعہ رازی نے تصریح کی ہے کہ امام اسحٰق بن راہویہ بھی اپنی مسند میں جس صحابی سے روایت کرتے ہیں انکی جملہ مرویات میں سے سب سے اچھی روایت نقل کرتے ہیں۔ [2]

مسانید کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ہیں ان کے بعد مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری ان دونوں نے صحیح کو تراجم کے بجائے ابواب پر تصنیف کیا۔"

تراجم وابواب کا فرق | ابواب و تراجم کا فرق یہ ہے کہ تراجم کی صورت میں یہ شرط ہے کہ مصنف یوں عنوان قائم کرے

ذکر ما روی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں انکا بیان

پھر دوسرا عنوان یہ ہوگا۔

ذکر ما روی قیس بن ابی حازم عن ابی بکر الصدیق۔

یعنی قیس بن ابی حازم نے حضرت ابوبکر صدیق سے جو روایتیں کی ہیں ان کا ذکر۔

اس صورت میں مصنف کے لئے لازمی ہے کہ قیس کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جتنی

---

[1] توضیح الافکار ص ۱۲۵ اسکا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ [2] التقیید والایضاح للعراقی طبع حلب ص ۴۲

روایتیں مل جائیں سب کی تخریج کرے قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہیں یا سقیم۔

لیکن مصنف الواب اس طرح عنوان قائم کرتا ہے۔

ذکر ما صح وثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ابواب الطہارۃ او الصلوۃ او غیر ذلک من العبادات۔ — یعنی طہارت یا نماز یا دیگر عبادات کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و ثابت ہے اس کا ذکر۔

الواب و تراجم کا جو فرق حاکم نے بیان کیا ہے وہ نہایت قابل توجہ اور اہم ہے۔ ان کے بیان میں اس امر کی صاف طور پر صراحت موجود ہے کہ اہلِ تراجم یعنی مصنفین مسانید و معاجم کا مقصد صرف روایات کا جمع و استقصا ہے۔ ایک صحابی اور ایک راوی کے ذریعہ جتنی روایتیں ان کو مل جائیں گی وہ ان سب کو یکجا روایت کر دیں گے اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام روایتیں صحیح طریقوں ہی سے ثابت ہوں اس لئے صرف صحیح روایتوں کا جمع کرنا ان کے موضوع سے خارج اور ان کی شرط تصنیف کے منافی ہے۔ لہذا ان کی تصانیف صحیح و ضعیف ہر قسم کی روایتوں سے مالامال ہونگی۔ درحقیقت کتب مسانید طرق و اسانید کا بیش بہا دفتر ہیں۔ ان سے محدث کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو حدیث کے درجہ قوت و ضعف پر پوری طرح اطلاع ہو جاتی ہے اور یہ معلوم کرنے میں آسانی رہتی ہے کہ وہ صحت کے کس معیار پر ہے اور اس کی سند کے کتنے طریقے ضعیف اور کتنے صحیح ہیں۔ اگر ضعف ہے تو کیا اس قسم کا ہے کہ چند طریقوں کے ملا لینے سے جاتا رہتا ہے اور حدیث کو قابل استناد بنا دیتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث چار طریقوں سے مروی ہے اور ہر طریقے میں ایک ایسا راوی موجود ہے جس پر حافظہ کی کمی کا الزام ہے اسلئے کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں کے بیان کو دیکھکر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ان میں سے ہر ایک میں جو علیحدہ علیحدہ حافظہ کی کمی تھی وہ ان سب کے متفقہ بیان سے پوری ہو گئی اور اسی طرح اگر وہ حدیث صحیح ہے تو کیا تعدد طُرُق کی بنا پر اسے شہرت کا درجہ حاصل ہے یا محض صرف عزیز کہا جا سکتا ہے یا وہ غرائب و افراد میں سے ہے۔

لیکن جن لوگوں نے اپنی تصنیفات کی ترتیب تراجم کی بجائے ابواب پر کی ہے یعنی اہل جوامع وسنن ان کی شرط تصنیف میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ صرف معمول بہ اور قابل استناد احادیث کا اندراج کریں اور ایسی کوئی روایت اپنی کتاب میں نہ لائیں جو عمل کے قابل نہ ہو اس لئے یہ مصنفین اپنی تصانیف میں صرف وہ احادیث نقل کرتے ہیں جو ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح وثابت ہوں۔ گو یہ ممکن ہے کہ کسی حدیث کے صحیح سمجھنے میں ان سے چوک ہوئی ہو یا اور علما ان کی اس رائے سے متفق نہ ہوں۔ حاکم کے زمانہ تک مصنفین ابواب کے پیش نظر یہی چیز تھی اسلئے جب وہ اپنی تصانیف میں کوئی ایسی روایت داخل کرتے ہیں جو ان کی شرط پر پوری نہیں اترتی تو اس کے ضعف کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر کے اس ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ سلف کی اصطلاح میں ہر قابل عمل حدیث صحیح کہلاتی تھی البتہ صحت کے اعتبار سے اس کے مختلف درجے ہوتے تھے، بعد میں متاخرین نے حدیث مقبول کی چار قسمیں قرار دیں اور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ نام مقرر کئے۔ (۱) صحیح لذاتہ۔ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ۔ متقدمین کی اصطلاح میں حسن بھی صحیح میں داخل تھی۔ حافظ ذہبی نے سیر النبلاء میں امام ابوداؤد کے ذکر میں اس چیز کی تصریح کی ہے چنانچہ رقمطراز ہیں۔

ان الحسن باصطلاحنا المولد الذی ھو	ہماری جدید اصطلاح میں جو حسن کی تعریف
فی عرف السلف یعود الی قسم من اقسام	ہے وہ متقدمین کے عرف میں صحیح کی ایک قسم
الصحیح فانہ الذی یجب العمل بہ	ہے کیونکہ وہ عام علماء کے نزدیک واجب
عند جمھور العلماء ؎	العمل ہے۔

مصنفین ابواب کی جو شرط حاکم نے بیان کی ہے وہ اسی اصطلاح پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بڑے

؎ تنقیح الانظار لمحمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی ص۵۸ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

بڑے ائمہ حدیث نے کتب سنن پر صحت کا اطلاق کیا ہے حالانکہ ان میں احادیث حسان کثرت سے موجود ہیں چنانچہ ابوعلی نیشاپوری۔ ابواحمد بن عدی۔ دارقطنی، عبدالغنی بن سعید۔ حاکم۔ خطیب اور سلفی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔ ابن مندہ اور ابوعلی بن سکن کا بیان ہے کہ چار اشخاص نے صحیح کی تخریج کی ہے بخاری مسلم۔ ابوداؤد اور نسائی۔ اسی طرح حاکم خطیب اور سلفی نے سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کو صحیح کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ [1]

کیا صحیح حدیثوں کو سب سے پہلے بخاری نے جمع کیا ہے

حاکم کا بیان ہے کہ "سب سے پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ہیں" ابن صلاح وغیرہ نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔[2] لیکن یہ بالکل بے اصل بات ہے حافظ سیوطی تنویر الحوالک میں لکھتے ہیں۔

وقال الحافظ مغلطای اول من صنف	اور حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح
الصحیح مالک وقال الحافظ ابن حجر کتاب	تصنیف کی وہ مالک ہیں۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ مالک
مالک صحیح عندہ وعند من یقلدہ علی	کی کتاب خود ان کے اور نیز ان کے مقلدین کے نزدیک
ما اقتضاہ نظرہ من الاحتجاج بالمرسل	جنکا خیال مرسل و منقطع وغیرہ سے احتجاج کا مقتضی ہے صحیح ہے
والمنقطع وغیرھما قلت ما فیہ من	(سیوطی لکھتے ہیں) میں کہتا ہوں موطا میں جو مراسیل ہیں وہ
المراسیل فانھا مع کونھا حجۃ عندہ	قطع نظر اس کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان ائمہ کے
بلاشرط وعند من وافقہ من الائمۃ	نزدیک جو مرسل سے استناد کے قائل ہیں حجت ہیں ہمارے
علی الاحتجاج بالمرسل فھی ایضاً	نزدیک بھی صحیح ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک جب مرسل کا
حجۃ عندنا لان المرسل عندنا حجۃ	کوئی موید ہو تو وہ حجت ہوتی ہے اور موطا میں کوئی مرسل ایسی
اذا اعتضد وما من مرسل فی الموطا	موجود نہیں جس کے ایک یا ایک سے زائد موید موجود

---

[1] توضیح الافکار للامیر ص۱۴۲ ۔ [2] مقدمہ ابن صلاح طبع حلب ص۱۳

الأوله حاضلا وعواضد كما	نہ ہوں۔ چنانچہ میں اپنی اس شرح میں اس کو بیان
سابين ذلك في هذا الشرح فالصواب	کروں گا۔ تو حق یہی ہے کہ موطا پر صحیح کا اطلاق
اطلاق ان الموطا صحيح لا يستثني	کیا جائے اور اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ قرار
منه شي۔ [1]	دیا جائے۔

علامہ سیوطیؒ نے حافظ مغلطائی کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے وہ خود ان کی زبان سے سننا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ علامہ محمد امیر یمانی توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار میں جو اصول حدیث کی ایک بیش بہا کتاب ہے رقمطراز ہیں۔

اول من صنف في جمع الصحيح البخاري	پہلے جس نے جمع صحیح میں تصنیف کی وہ بخاری
هذا كلام ابن الصلاح قال الحافظ	ہیں، یہ ابن صلاح کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر نے
ابن حجر انه اعترض عليه الشيخ مغلطاي	کہا ہے کہ اس پر شیخ مغلطائی نے اعتراض کیا ہے
فيما قرأه بخطه بأن مالكا اول من	چنانچہ انھوں نے خود ان کی تحریر میں پڑھا ہے کہ
صنف الصحيح وتلاه احمد بن حنبل	پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں اور
وتلاه الدارمي قال وليس لقائل	ان کے بعد احمد بن حنبل اور پھر دارمی اور کسی کو
ان يقول لعله اراد الصحيح المجرد	یہ اعتراض کا حق نہیں کہ غالبا ابن صلاح کی مراد
فلا يرد كتاب مالك لان فيه البلاغ	صحیح سے صحیح مجرد ہے لہذا مالک کی کتاب اس سلسلہ میں
والموقوف والمنقطع والفقه وغيرها	پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں بلاغ، موقوف، منقطع
ذلك لوجود ذلك في كتاب البخاري	اور فقہ بھی موجود ہے۔ اسلئے کہ یہ سب چیزیں بخاری
انتهى۔ [2]	کی کتب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

---

[1] تنویر الحوالک ص ۲/۱۵ طبع مصر ۱۳۴۳ھ۔ [2] توضیح الافکار ص ۲۱۔

بلاشبہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالکؒ کو حاصل ہے۔ مگر ہم کو اس سے بھی پہلے کی ایک تصنیف معلوم ہے جس سے خود موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہی اسلام میں پہلی کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدون ہوئی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی مشہور تصنیف کتاب الآثار ہے۔ موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے۔ یہ کچھ ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اگلے علما بھی اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ حافظ سیوطیؒ تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہؒ میں تحریر فرماتے ہیں۔

من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد	امام ابوحنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں
بھا انہ اول من دون علم الشریعۃ	وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں
ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک بن	جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر
انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق	ترتیب کی پھر امام مالکؒ بن انس نے موطا کی ترتیب میں
ابا حنیفۃ احد۔	انہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ پر
؎۱	کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف سے امام مالکؒ کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں صراحت سے مذکور ہے حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام سعدی مناقب ابی حنیفہ میں بسند متصل روایت کرتے ہیں۔

حدثنی یوسف بن احمد المکی ثنا محمد بن حازم	امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن محمد
الفقیہ ثنا محمد بن علی الصائغ بمکۃ ثنا ابراھیم	الدراوردی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ
بن محمد عن الشافعی عن عبدالعزیز الدراوردی	بن انس امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا
قال کان مالک بن انس ینظر فی کتب	مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز

؎۱ تبییض الصحیفہ طبع دہلی ص ۱۲

ابی حنیفۃ وینتفع بہا۔ ؎۱ ہوتے تھے۔

کتاب الآثار میں جو احادیث مروی ہیں وہ موطا کی روایات سے قوت و صحت میں کسی طرح کم نہیں۔ ہم نے اس کے ایک ایک راوی کو جانچا اور پرکھا ہے اسی لئے ہم پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع روایت موجود نہیں اور نہ کوئی ایسی روایت پائی جاتی ہے کہ جو سرے سے احتجاج کے قابل نہ ہو اور جس طرح موطا کے مراسیل کے موید موجود ہیں۔ اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے۔ لہذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ کتاب الآثار باصطلاح سلف بلا استثنار پوری کی پوری صحیح ہے۔ اور کیوں نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کی نظرِ انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے چن کر ان کو روایت کیا ہے۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی تحریر فرماتے ہیں۔

وانتخب ابو حنیفہ رحمہ اللہ الآثار من اربعین الف حدیث ؎۲ | امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

امام صاحب کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے اقرار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو محمد عبداللہ حارثی بسند متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں۔

اخبرنا القاسم بن عباد سمعت یوسف الصفار یقول سمعت وکیعا یقول لقد وجد الورع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث مالم یوجد عن غیرہ۔ ؎۳ | کہ جیسی احتیاط امام ابوحنیفہ رح سے حدیث میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔

اسی طرح علی بن الجعد الجوہری سے جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاریؒ اور ابوداؤد کے استاد ہیں روایت کی ہے۔

قال القاسم بن عباد فی حدیثہ قال علی بن الجعد | امام ابوحنیفہؒ جب حدیث بیان کرتے

؎۱ تعلیقات الاستقلال للکوثری طبع مصر ص۱۲ ؎۲ مناقب موفق طبع دائرۃ المعارف ص۹۵/۱۵ ؎۳ مناقب موفق ج۱ ص۱۹۷

ابوحنیفۃ اذا جاء بالحدیث جاء به مثل الدر[۱] ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

ہم انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر کتاب الآثار کی خصوصیات اس کی اہمیت اور اس کے متون و رجال کے متعلق ناظرین کی خدمت میں اپنی معلومات پیش کریں گے۔

تعجب ہے کہ ہندوستان کے مایہ ناز مورخ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان جیسی بیش بہا کتاب لکھ ڈالی مگر امام صاحب کی تصنیفات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحبؒ کی کوئی تصنیف موجود نہیں ۔[۲]

کتاب الآثار کا انتساب ان کے نزدیک امام محمدؒ کی طرف زیادہ موزوں ہے۔[۳] امام ابوحنیفہ رحمہ کی دوسری تصانیف کے متعلق تو بحث کا یہ موقع نہیں مگر کتاب الآثار کے متعلق ہم اتنا عرض کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ وہ بغیر کسی ادنیٰ شائبہ کے امام صاحبؒ کی تصنیف ہے اور وہ یہی کتاب الآثار ہے جس کے راوی امام محمدؒ ہیں۔ جس طرح موطا کے متعدد نسخے ہیں اور ان میں سے دو زیادہ متداول ہیں ایک یحیی بن یحیی لیثی مصمودی کا جو صرف امام مالکؒ کی مرویات اور ان کے اجتہادات پر مشتمل ہے۔ دوسرا امام محمد کا جس میں امام مالکؒ کی مرویات کے ساتھ ساتھ اپنے مسلک اور امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو بھی درج کیا ہے نیز بہت سے آثار اور حدیثیں دیگر شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اور اسی بنا پر وہ موطا امام محمدؒ کے نام سے مشہور ہے۔ حالانکہ موطا امام مالکؒ کی تصنیف ہے۔ بالکل اسی طرح کتاب الآثار کے بھی متعدد نسخے ہیں۔ ایک نسخہ امام زفر سے مروی ہے اس کا ذکر سمعانی نے کتاب الانساب میں حصینی نسبت میں کیا ہے۔ دوسرا نسخہ امام ابویوسف کا ہے ۵ سال ہوئے جب مولانا ابوالوفا افغانی کی تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن نے مصر میں چھپوا کر اسے شائع کیا۔ اس نسخہ میں صرف حدیثیں مروی ہیں۔ تیسرا نسخہ امام محمد کا ہے جو نہایت مشہور و متداول ہے اور متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔ امام محمدؒ نے موطا کی طرح کتاب الآثار میں بھی امام ابوحنیفہؒ سے

---

[۱] جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی طبع دائرۃ المعارف ج۲ ص۳۰۵ [۲] سیرۃ النعمان طبع اعظم گڑھ ص۱۰۴ [۳] سیرۃ النعمان ص۱۰۵

روایت ذکر کرنے کے بعد اس روایت کے متعلق اپنے اور امام صاحبؒ کے مسلک کو بیان کیا ہے اور کہیں کہیں دیگر شیوخ سے بھی روایتیں کی ہیں۔ اسی بنا پر موطا کی طرح اس کا بھی انتساب امام محمدؒ کے نام کے ساتھ مشہور ہوگیا جس کو غلطی سے مولانا شبلی اور بعض دوسرے لوگوں نے امام محمدؒ کی تصنیف سمجھ لیا حالانکہ حقیقت میں کتاب الآثار کو امام ابوحنیفہؒ کی بجائے امام محمدؒ کی تصنیف قرار دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے موطا کو امام مالکؒ کی بجائے امام محمدؒ یا امام یحییٰ کی تصنیف قرار دی جائے اور اس پر اصرار کیا جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب ضعفاء سے روایت پر اعتراض ہوسکتا تھا۔ حاکم نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں۔

○ ممکن ہے کہ کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ آخر اس روایت کی تخریج سے جس کی سند صحیح نہیں، رواۃ عادل نہیں فائدہ کیا اس کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں۔

(۱) جرح و تعدیل میں اختلاف کی گنجائش ہے ممکن ہے کہ ایک امام ایک راوی کو عادل سمجھا اور دوسرا امام اسی راوی کو مجروح قرار دے۔ اسی طرح ارسال مختلف فیہ ہے۔ (ایک کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہو دوسرے کے نزدیک ضعیف ناقابل احتجاج)

(۲) ائمہ سلف ثقات و غیر ثقات دونوں قسم کے رواۃ سے حدیثیں روایت کرتے اور جب ان سے رواۃ کے متعلق دریافت کیا جاتا تو ان کے حالات بیان کر دیتے۔ امام مالک بن انس اہل حجاز کے مسلم الثبوت امام ہیں انہوں نے عبدالکریم ابو امیہ بصری اور اس کے علاوہ ان لوگوں سے روایتیں کیں جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ مالک کے بعد اہل حجاز کی امامت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے حصہ میں آئی انہوں نے بھی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمی اور ابوداؤد سلیمان بن عمرو النخعی اور دیگر مجروحین سے حدیثیں بیان کیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے جابر بن یزید جعفی اور ابوالعطوف جراح بن منہال جزری وغیرہ مجروحین سے روایتیں کیں پھر قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم اور محمد بن حسن شیبانی دونوں نے حسن بن عمارۃ

اور عبد اللہ بن محرر وغیرہ مجروحین سے روایتیں بیان کیں۔ اسی طرح ائمہ مسلمین قرناً بعد قرن اور عصراً بعد عصر ہمارے زمانے تک روایتیں کرتے چلے آئے کہ ائمہ فریقین میں سے کسی امام کی حدیث بھی مطعون فیہ محدثین کی روایات سے خالی نہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ

ولاائمۃ فی ذالک غرض ظاھر وھو ان یعرفوا الحدیث من این مخرجہ و المنفرد بہ عدل اومجروح
ائمہ کا مقصد اس بارے میں ظاہر ہے یعنی وہ اسلئے ایسا کرتے ہیں کہ یہ معلوم کرلیں کہ یہ حدیث کہاں کی نکلی اور جو شخص اسکی روایت میں منفرد ہے وہ مستند ہے یا مجروح۔

حافظ یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ

لولم نکتب الحدیث من ثلاثین وجھاً ماعقلنا۔
اگر ہم حدیث کو تیس طریقے سے نہ لکھیں تو ہم اس کو جان نہ سکیں۔

ابوبکر اثرم کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے یحیٰی بن معین کو صنعاء میں دیکھا کہ ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھے صحیفہ معمر کی نقل میں مشغول ہیں یہ صحیفہ بروایت ابان حضرت انس سے مروی تھا اس اثنا میں جب کوئی شخص ادھر آنکلتا تو یہ اسے چھپا دیتے۔ امام احمدؒ نے ان سے کہا کہ اس امر کے جاننے کے باوجود کہ یہ صحیفہ معمر عن ابان عن انس سراسر جعلی ہے پھر بھی آپ اس کی نقل میں مصروف ہیں اگر کسی نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ ابان پر کلام بھی کرتے ہیں اور اس کی حدیثیں بھی اسی طرح پر نقل کرتے ہیں تو آپ کے پاس اسکا کیا جواب ہوگا؟ بولے کہ اے ابوعبداللہ! اللہ آپ پر رحم کرے میں اس صحیفہ کو عبدالرزاق سے بروایت معمر اسلئے لکھ رہا ہوں کہ میں اس کو اول سے آخر تک حفظ کرونگا اور یہ بھی مجھے علم ہے کہ یہ صحیفہ موضوعہ ہے تاکہ بعد میں کوئی شخص آکر ابان کو بدل کر ثابت کا نام نہ لے دے اور روایت کرنے لگے کہ عن معمر عن ثابت عن انس اس وقت میں اس سے کہونگا تو جھوٹ کہتا ہے اس روایت کا سلسلۂ سند معمر عن ابان عن انس ہے نہ کہ معمر عن ثابت عن انس۔

یہی امام ابن معین کا یہ بھی مقولہ ہے کہ

کتبنا عن الکذابین وسجرنا به التنور	ہم نے جھوٹوں سے روایتیں لکھیں اور اس سے تنور
اخرجنا به خبزا نضجا۔	کو گرم کیا اور پکی پکائی روٹی نکالی "

یہانتک حاکم کی عبارت کا ترجمہ تھا۔ بلاشبہ ضعفاء سے روایت کرنے کی بڑی وجہ۔ صرف حدیث کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ صحیح وضعیف میں امتیاز قائم رہے اور اس کی شناخت میں چوک نہ ہونے پائے۔ حافظ ابن معین کی تصریحات حاکم کے کلام میں آپ کی نظر سے گزر چکیں۔ ان کے استاد ہیں امام ابو یوسف۔ حافظ الدین محمد بن محمد البزازی الکردری ان کے متعلق رقمطراز ہیں۔

قیل للامام ابی یوسف لم حفظت الاحادیث	امام ابو یوسف سے کہا گیا کہ آپ نے احادیث موضوعہ کو
الموضوعة قال لاعرفها۔ [1]	کیوں حفظ کیا فرمایا محض ان کے علم کیلئے۔

البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جرح وتعدیل میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا ضروری تھا کسی شخص کے ان تمام اوصاف وحالات پر اطلاع پانا جن کا اثر روایت کی صحت وضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے اور یہ ہر شخص کے لیے ممکن نہ تھا۔ حاکم نے جن لوگوں کے نام مثال کے طور پر بیان کیے ہیں ان میں سے حسن بن عمارہ کو لے لیجیے۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے متعلق قرطراز ہیں :-

قال ابو سعد الصغانی سمعت	ابو سعد صغانی کا بیان ہے کہ میں نے امام
اباحنیفة وزفر یقولان جربنا	ابو حنیفہ اور امام زفر دونوں کو یہ کہتے ہوئے
الحسن بن عمارة فی الحدیث	سنا کہ ہم نے حسن بن عمارہ کو حدیث میں پرکھا
فوجدناه یخرج من الحدیث کما	تو وہ پرکھنے میں ایسے نکلے جیسے سرخ سونا
یخرج الذھب الاحمر من النار	بھٹی میں سے نکلتا ہے۔

---

[1] مناقب الامام الاعظم لکردری طبع دائرة المعارف ص ۲۱۵

قال ابو حنیفة خالطنا الحسن	امام ابو حنیفہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارا حسن
بن عمارة فلم نر الا خیرا وقال	بن عمارہ سے میل جول رہا ہم نے تو ان
ابو سعد الصغانی ھذا عامة	میں بجز بھلائی کے اور کوئی بات نہیں دیکھی
ما سمعنا عن الحسن بن عمارة سمعناه	ابو سعد صغانی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے حسن
فی مجلس ابی حنیفة ومسجده و	بن عمارہ سے جو حدیثیں سنی ہیں وہ امام ابو حنیفہ
کان یجالس ابا حنیفة کثیرا و	کی مجلس درس اور انہی کی مسجد میں سنی ہیں وہ
کان یمر فی خلال الکلام حدیث	امام صاحب کے پاس بہت زیادہ نشست و
یذکره الحسن بن عمارة فکان	برخاست رکھتے تھے بسلسلۂ کلام میں حسن بن
یقول ابا حنیفة امل علیهم فیملی	عمارہ کسی حدیث کو ذکر کرتے تو امام صاحب
علینا[1]۔	فرماتے یہ حدیث ان کو املا کرادو وہ ہم کو املا کرا دیتے

بلاشبہ ان کی نسبت کتب رجال میں جرحیں مذکور ہیں لیکن وہ سب ایسے لوگوں سے مروی ہیں جو یا تو ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے یا جن کو ان کے جانچنے اور پرکھنے کا موقع نہ مل سکا امام ابو حنیفہ اور امام زفر نے ان کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ مدت کے تجربہ اور ملاقات اور بار بار کے امتحان و آزمائش کے بعد قائم کی ہے۔ حافظ ابو محمد حسن بن خلاد رامہرمزی نے المحدث الفاصل میں جو اصول حدیث پر سب سے پہلی تصنیف ہے ان جرحوں کا مفصل جواب دیا ہے[2]۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے اس بیان کے بعد بھی حسن بن عمارہ کی حدیث قابلِ استناد نہیں۔

کبھی ضعفاء سے اس بنا پر بھی روایت کی جاتی ہے کہ شواہد و متابعات کی بنا پر وہ ضعف جاتا رہتا ہے اور حدیث صحیح ہوتی ہے۔ اور چونکہ متابعات[3] و شواہد معروف و مشہور ہوتے ہیں اس لیے

---

[1] مناقب موفق ج ۲ ص ۳۷ [2] اس کتاب کا قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بوجہ اختصار ان کو ذکر نہیں کیا جاتا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کی اسناد مصنف کے پاس ثقات کی روایت سے نازل ہوتی ہے اور ایک دوسری سند سے جس میں کوئی ضعیف راوی ہوتا ہے عالیؒ۔ اس لیے وہ اسناد عالی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے اور طوالت کے خیال سے سند نازل بیان نہیں کرتا۔ کیونکہ اہل فن اس سے باخبر ہوتے ہیں؎۔

غرض یہ ہیں وہ اسباب جن کی بنا پر کبھی کبھی ضعفاء سے احادیث کی روایت کی جاتی ہے۔ ہمارے بعض معاصرین جو منصب رسالت سے ناآشنا اور جن کو علم حدیث کی بصیرت نہیں وہ غلطی سے ان وجوہ کو تو نہیں سمجھتے اور شبہ میں پڑ کر سرے سے حدیث شریف کے حجت شرعی ہونے ہی سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ھداھم اللہ الی سواء السبیل۔

حاکم نے حدیث صحیح کی دس قسمیں قرار دی ہیں۔ پانچ متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :۔

فالقسم الاول من المتفق علیہا اختیار البخاری ومسلم وھو الدرجۃ الاولیٰ من الصحیح ومثالہ الحدیث الذی یرویہ الصحابی المشھور بالروایۃ

صحیح متفق علیہ کی پہلی قسم وہ ہے جس کو بخاری ومسلم نے اختیار کیا ہے اور وہی اول درجہ کی صحیح ہے یعنی وہ حدیث جس کو ایسا صحابی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت میں

؎ متابعات جمع ہے متابعت کی۔ متابعت اس سند روایت میں دوسرے کے شریکؔ کو کہتے ہیں مثلاً ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ سے مروی ہے۔ عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس اگر ایوب کے علاوہ ابن سیرین سے یا ابن سیرین کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اس حدیث کو روایت کرے تو اس کو متابعت کہا جائیگا پھر اگر ابن سیرین سے ایوب کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہوگا تو اُسے ایوب کا متابع کہا جائیگا اور اگر حضرت ابوہریرہ (بقیہ بر صفحہ ۱)

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولہ راویان ثقتان ثم یرویہ التابعی المشہور عن الصحابہ ولہ راویان ثقتان ثم یرویہ من اتباع التابعین الحافظ المتقن المشہور ولہ رواۃ من الطبقۃ الرابعۃ ثم یکون شیخ البخاری او مسلم حافظا متقنا مشہورا بالعدالۃ فی روایتہ فھٰذہ الدرجۃ الاولی من الصحیح (مع)

مشہور ہو بیان کرے اور اس صحابی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں پھر اس حدیث کو وہ تابعی بیان کرے جو صحابہ سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس کے بھی دو ثقہ راوی ہوں پھر تبع تابعین میں سے حافظ متقن مشہور اسے روایت کرے اور چوتھے طبقہ میں اس حدیث کے دو سے زیادہ راوی ہوں پھر بخاری یا مسلم کا شیخ حافظ و متقن ہو اور عدالت فی الروایت میں شہرت رکھتا ہو۔ پس یہ صحیح کا اول درجہ ہے۔

اس لحاظ سے ان کے نزدیک حدیث صحیح کی پہلی قسم میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے

(۱) صحابی اور تابعی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں، اور طبقہ رابعہ میں اس کے دو سے زائد رواۃ ہوں غرض ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونے ضروری ہیں۔

(۲) امام بخاری و مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث

(بقیہ صفحہ ۱۸) سے ابن سیرین کے علاوہ دوسرا راوی موجود ہے تو اسے ابن سیرین کا متابع کہا جائیگا اور اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور صحابی بھی اس روایت کو بیان کرتے ہیں تو ان کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا متابع کہا جائیگا۔

شواہد جمع ہے شاہد کی۔ ایک حدیث کے ہم معنی دوسری حدیث جو مروی ہو اس کو حدیث اول کا شاہد کہتے ہیں۔

لہ حدیث کے جتنے وسائط کم ہونگے اسی قدر عالی ہوگی اور جتنے زیادہ ہونگے اسی قدر نازل۔

لہ مقدمہ شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۵ طبع مصر والروض الباسم للوزیر الیمانی ج ۱ ص ۸۳ طبع مصر۔

(۳) شیوخ شیخین اور اتباع تابعین میں سے جو بھی اس حدیث کو روایت کرے وہ علاوہ ثقہ اور مشہور ہونے کے حافظ و متقن بھی ہو۔

جو حدیث ان سب صفات پر مشتمل ہو وہ ان کے خیال میں اول درجہ کی شرائط صحیح کی حامل ہے۔ جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسی قسم کو اختیار کیا ہے اور اسی قسم کی تخریج ان کے نزدیک مشروط ہے۔

جس حدیث کے ہر طبقہ میں کم سے کم دو راوی ہوں اسے اصول حدیث میں عزیز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ عزیز حدیثیں عزیز الوجود یعنی بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اس لیے بعض علماء نے حاکم کے کلام کی ایک دوسری توجیہ کی ہے۔ جو کہ بعید الوقوع سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ قاضی عیاض حافظ ابو علی غسانی سے ناقل ہیں۔

لیس المراد ان یکون کل خبر	حاکم کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیخین
روياه يجتمع فيه راويان عن	نے جس حدیث کو روایت کیا ہے اس حدیث
صحابيه ثم عن تابعيه فمن بعده	کو اس صحابی سے دو شخص روایت کریں اور
فان ذلك يعز وجوده وانما المراد	پھر تابعی سے دو اور اسی طرح بعد میں کیونکہ اس
ان هذا الصحابي وهذا التابعي قد	کا وجود نادر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس صحابی
روى عنه رجلان خرج بهما عن	اور اس تابعی سے دو شخص (کچھ بھی) روایت کریں
حد الجهالة[1].	تاکہ وہ مجہول کی تعریف سے نکل جائے۔

لیکن حاکم کے کلام کا یہ مطلب بیان کرنا خود حاکم کی تصریحات کے خلاف اور توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مصداق ہے۔ ان کی تصریحات تو حدیث صحیح کی دوسری، تیسری، چوتھی اور

---

[1] تدریب الراوی ص ۲۹ و توجیہ النظر ص ۱۰۔

پانچویں قسم کی بحث کے ذیل میں آپ کی نظر سے گزرینگی۔ قطع نظر ان تصریحات کے خود عبارت اس توجیہ کا ساتھ نہیں دیتی کیونکہ تعریف جو کی جارہی ہے وہ حدیث کی کی جارہی ہے اس لیے لہ راویان ثقتان میں لہٗ کا مرجع حدیث ہی کو قرار دینا چاہیے نہ کہ صحابی کو اسی لیے علّامہ ابو عبداللہ بن المواق رقمطراز ہیں۔

ما حمل الغسانی علیہ کلام الحاکم وتبعہ علیہ عیاض وغیرہ لیس بالبین[1].	غسانی اور ان کی اتباع میں قاضی عیاض وغیرہ نے حاکم کے کلام کو جس پر محمول کیا ہے وہ ظاہر نہیں۔

شرط شیخین | حقیقت یہ ہے کہ شرط شیخین کے تعین کا مسئلہ بڑا معرکۃ الارا مسئلہ ہے۔ اور اصول حدیث کی کتابوں میں اس پر بڑی بڑی بحثیں قائم ہوگئی ہیں۔ بلاشبہ ایک جماعت کو اس پر اصرار ہے کہ امام بخاری ومسلم نے صحیحین میں حدیث صحیح کی ان عام شروط کے علاوہ جو عموماً علماء کے نزدیک مسلم ہیں مزید احتیاط کے لیے کچھ خاص شرائط کا اضافہ کیا ہے لیکن وہ شرائط کیا ہیں اور آیا وہ دونوں کی متحد ہیں یا امام بخاری کی علیحدہ۔ اور امام مسلم کی علیحدہ۔ اس میں بڑا اختلاف رائے ہے۔

حاکم کا بیان آپ کے سامنے ہے جس کا پہلا جزو یہ ہے کہ اس حدیث کے صحابی کے علاوہ ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونا ضروری ہیں اور ابو حفص میانجی نے اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ کیا ہے چنانچہ کتاب "مالایسع المحدث جھلہ" میں رقمطراز ہیں :۔

شرط الشیخین فی صحیحھما ان لا یدخلا فیہ الا ما صح عندھما وذلک	صحیحین میں شیخین کی شرط یہ ہے کہ صرف وہ حدیث ان میں درج کریں جو ان کے نزدیک صحیح ہو یعنی

---

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للسیوطی ص ۲۹ طبع مصر ۱۳۰۷ھ و توجیہ النظر للجزائری ص ۱، طبع مصر۔

ما رواه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا دو سے
اثنان فصاعدًا ومانقلہ عن کل	زیادہ صحابی روایت کریں اور ہر صحابی سے
واحد من الصحابۃ اربعۃ من	چار یا چار سے زیادہ تابعین اور ہر تابعی سے
التابعین فاکثروان یکون عن کل	چار سے زیادہ تبع تابعین راوی ہوں۔
واحد من التابعین اکثر من اربعۃ[1]	

حاکم نے تو ہر طبقہ میں بجز صحابی کے کم از کم دو راوی ہونا بیان کیا تھا لیکن ابو حفص میانجی نے ان سے بھی دو زائد ہی بتلائے۔ حاکم کی رائے میں صرف ایک صحابی مشہور کی روایت کافی ہے مگر ان کے نزدیک صحابی بھی دو ہونے چاہئیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔ میانجی ابو حفص کے اس بیان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وھو کلام من لو یمارس الصحیحین	یہ اُس شخص کی بات ہے جس کو صحیحین کی معمولی
ادنی ممارسۃ فلو قال قائل لیس	مزاولت بھی نہ ہو۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ
فی الکتابین حدیث واحد بھذہ	صحیحین میں اس صفت کی ایک حدیث بھی
الصفۃ لما ابعد[2]	نہیں پائی جاتی تو یہ بات بعید نہیں۔

ابو حفص تو اپنے دعوے میں تنہا ہیں لیکن حاکم کی رائے سے بہت سے علماء نے اتفاق کیا ہے۔ جن میں امام بیہقی۔ حافظ ابوبکر بن العربی اور علامہ ابوالسعادات ابن الاثیر جزری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی فتح المغیث میں رقمطراز ہیں:۔

وافقہ علیہا صاحبہ البیھقی (ص۱۰) حاکم کے دعوے کی ان کے شاگرد بیہقی نے موافقت کی ہے

اور علامہ امیر یمانی حاکم کے بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص ۱۷ و توجیہ النظر ص ۲۷۔ [2] تدریب الراوی ص ۱۷

ورجحہ ابن الاثیر وذھب الیہ ابن العربی المالکی۔[1]	اسی کو ابن اثیر نے ترجیح دی ہے اور اسی طرف ابن العربی مالکی گئے ہیں۔

شرط شیخین کے بارے میں حاکم وبیہقی وغیرہ کے بیان کی تحقیق

لیکن ان بزرگوں نے شرط شیخین کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے۔ نہ امام بخاری ومسلم سے یہ شرطیں منقول ہیں اور نہ صحیحین ان شروط پر پوری اُترتی ہیں، اور جب حاکم کا بیان ہی درجہ صحت پر نہیں پہنچ سکتا تو ابوحفص کے دعوے کا تو ذکر ہی کیا کہ ع قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا۔

حافظ ابوعلی غسانی اور قاضی عیاض کے سابقہ بیان میں اس دعوے کی تردید اشارۃً آپ کی نظر سے گذر چکی ہے۔ بعد کے مصنفین نے نہایت صراحت کے ساتھ اس خیال کی مخالفت کی ہے چنانچہ حافظ محمد بن طاہر حاکم کا بیان نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

الجواب ان البخاری ومسلما لم یشترطا ھذا الشرط ولا نقل عن واحد منھما انہ قال ذلک والحاکم قدر التقدیر وشرط لھما ھذا الشرط علی ما ظن ولعمری انہ شرط حسن لو کان موجودا فی کتابیھما الا انا وجدنا ھذہ القاعدۃ التی اسسھا الحاکم منتقضۃ فی الکتابین جمیعاً۔[2]	جواب یہ ہے کہ بخاری ومسلم نے یقیناً نہ تو یہ شرط کی اور نہ ان میں سے کسی سے منقول ہے کہ اس نے ایسا کہا ہو۔ حاکم نے ایک اندازہ لگایا اور اپنے خیال کے مطابق شیخین کی یہ شرط قرار دیدی۔ بجان من یہ شرط تو اچھی ہے کاش ان کی کتاب میں موجود بھی ہوتی مگر ہم نے تو اس اصول کو جس کی حاکم نے بنیاد رکھی ہے دونوں کتابوں میں ٹوٹا ہوا پایا۔

---

[1] توضیح الانکار قلمی ص ۶۶ [2] شروط الائمۃ الستۃ طبع اعظمیہ حیدرآباد دکن ص،

پھر سات مثالیں حاکم کے دعوے کے خلاف پیش کر کے جو صحیحین میں موجود ہیں اور جن میں صحابی سے اس حدیث کا صرف ایک راوی ہے لکھتے ہیں :-

اقتصرنا منها على هذا القدر ليعلم ان	ہم نے صرف اتنے ہی پر اکتفا کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے
هذه القاعدة التي اسسها منتقضة	کہ حاکم نے جس قاعدہ کی بنیاد رکھی ہے وہ لغو اور
لا اصل لها ولو اشتغلنا بنقض	بے اصل ہے اور اگر ہم اس کی صرف اس ہی
هذا الفصل الواحد في التابعين و	قسم کے توڑنے میں مشغول ہوں تابعین اور
اتباعهم ومن روى عنهم الى عصر	تبع تابعین کے بارے میں اور جنہوں نے تبع
الشيخين لاربى على كتابه المدخل	تابعین سے روایت کی ہے شیخین کے زمانہ
اجمع الا ان الاشتغال بنقض	تک تو پوری مدخل سے زیادہ بڑی تصنیف ہو
كلام الحاكم لا يجدى فائدة وله	مگر حاکم کے کلام کی تردید کرنے سے کوئی فائدہ
في سائر كتبه مثل هذا كثير عفى	نہیں۔ حاکم کی تصنیفات میں اس قسم کی بہت
الله عنه	سی باتیں ہیں اللہ اس کو معاف کرے۔

اور حافظ ابوبکر حازمی شروط الائمۃ الخمسہ میں رقمطراز ہیں :-

ان هذا قول من يستطرف اطراف	یہ وہ کہہ سکتا ہے جو اطراف آثار کو اعجوبہ سمجھتا ہو
الآثار ولم يلج تيار الاخبار وجهل	اور احادیث کی امنڈتی ہوئی موجوں میں نہ
مخارج الحديث ولم يعثر على	گھسا ہو مخارج حدیث سے ناواقف اور محدثین
مذاهب اهل الحديث ومن عرف	کے مذاہب سے نابلد ہو جس کو متواتر و آحاد کی
مذاهب الفقهاء في انقسام الاخبار	تقسیم کے متعلق فقہا کے مسلک معلوم ہیں اور
الى المتواتر والآحاد واتقن اصطلاحهم	جو تحریر اسناد کے متعلق علماء کی اصطلاح سے

العلماء فی کیفیۃ تحریر الاسناد لم | اچھی طرح باخبر ہے۔ اس کی یہ رائے نہیں ہو سکتی
یذھب ھٰذا المذھب وسھل علیہ | اور اس کے لیے معاملہ سہل رہیگا بجان من
المطلب ولعمری ھٰذا قول قد قیل | یہ بات کہی جا چکی اور سابق میں ایسا دعویٰ
ودعوی قد تقدمت حتی ذکرہ | ہو چکا یہاں تک کہ ایک امام حدیث نے
بعض ائمۃ الحدیث فی مدخل | مدخل الکتابین میں اس کو ذکر بھی کر ڈالا۔
الکتابین (ص)

حازمی نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے اس کتاب میں ایک مستقل باب اس خیال کی تردید میں قائم کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"باب فی ابطال قول من زعم ان من شرط البخاری اخراج الحدیث عن عدلین وھلم جرا الی ان یتصل الخبر بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم"

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

ان ھٰذا حکم من لم یمعن الغوص | یہ اس شخص کا حکم لگایا ہوا ہے جو صحیح بخاری کی
فی خبایا الصحیح ولو استقرأ | پوشیدگیوں میں گہری نظر سے غوطہ زن نہیں ہوا
الکتاب حق استقرائہ لوجد جملۃ | اور اگر وہ جزئیات کتاب کا جس طرح پتہ لگانے
من الکتاب ناقضۃ علیہ دعواہ (ص) | کا حق ہے پتہ لگاتا تو کتاب کے بڑے حصہ کو
اپنے دعوے کے خلاف پاتا۔

ابن العربی اور شرط شیخین حافظ ابوبکر بن العربی نے تو اس سلسلہ میں شیخین کے متعلق ایک عام دعویٰ کیا ہے یعنی نہ صرف یہ کہ شیخین نے اس شرط کو صحیحین میں ملحوظ رکھا ہے بلکہ ان کے خیال میں امام بخاری و

ۓ دیکھو شروط الائمۃ الخمسہ طبع اعظمیہ حیدرآباد دکن۔ ص،۔

مسلم کے نزدیک کوئی حدیث اس وقت تک ثابت ہی نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کو دو شخص روایت ذکریں اور لطف یہ کہ اپنے اس مزعومہ خیال کو شیخین کا مذہب قرار دے کر پھر خود ہی اس کو مذہب باطل فرماتے ہیں۔ چنانچہ شرح موطا میں رقمطراز ہیں۔

کان مذھب الشیخین ان الحدیث	امام بخاری و مسلم کا مذہب ہے کہ کوئی حدیث
لا یثبت حتی یرویه اثنان وھو	اُس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک
مذھب باطل بل روایۃ الواحد	کہ دو شخص اس کو بیان نہ کریں لیکن یہ مذہب
عن الواحد صحیحۃ الی النبی صلی	باطل ہے بلکہ ایک شخص کی روایت دوسرے
اللہ علیہ وسلم [1]	ایک شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح ہے

کیا خوب خود ہی مدعی خود ہی شاہد اور خود ہی قاضی، بھلا فرمائیے کہ امام بخاری یا امام مسلم نے کب کہاں کس کتاب میں یا کس شخص کے سامنے اپنا یہ مذہب بتایا ہے جو اس کی تردید کی ضرورت پیش آئی اور اُسے مذہب باطل قرار دیا گیا۔ ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔

محدث ابن رشید نے قاضی ابن العربی کے اس بیان پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

والعجب منه کیف یدعی علیهما ذلك	ابن العربی پر تعجب ہے کہ اُنہوں نے کیوں
ثم یزعم انه مذھب باطل فلیت	شیخین کے متعلق ایسا دعویٰ کیا اور پھر اُسے
شعری من اعلمه بانهما اشترطا	مذہب باطل سمجھا۔ کاش مجھے پتہ چلتا کہ کس نے
ذلك ان کان منقولا فلیبین طریقه	اُن کو یہ بتایا کہ شیخین اس کو مشروط قرار دیتے
لننظر فیها وان کان عرفه بالاستقراء	ہیں اگر یہ شیخین سے منقول ہے تو اس کی سند
فقد وھم فی ذلك [2]	بیان کی جائے تاکہ ہم اُس پر غور کر سکیں اور

اگر (تتبع صحیحین) سے یہ چیز اُنہوں نے معلوم کی ہو تو یقیناً ان کو اس بارہ میں وہم ہوا۔

---

[1] تدریب الراوی ص ۱۷ [2] ایضاً

اس خیال کی تردید کہ صحیحین میں عزیز حدیثیں موجود نہیں

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عزیز حدیثوں کا وجود ہی نہیں یعنی سرے سے کوئی ایسی روایت پائی ہی نہیں جاتی کہ جس کے ہر طبقہ میں دو راوی ہوں یا صحیحین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں اس قسم کی کوئی روایت موجود نہیں ۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ کیا امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں تخریج حدیث کے لیے یہ شرط لازمی قرار دی ہے یعنی کیا صحیحین کی ہر حدیث ایسی ہے کہ اس کے ہر طبقہ میں دو دو راوی ہیں تو اس کا جواب نفی میں ہے کہ امام بخاری و مسلم نے کسی ایسی شرط کی پابندی اپنے اوپر لازمی نہیں قرار دی ۔ اگرچہ صحیحین میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ صفت موجود ہے ۔ تاہم ان میں ایسی بھی روایات موجود ہیں جو اس شرط پر پوری نہیں اترتیں ۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسی صورت میں اس کو شرط قرار دیا جائے تو یہ ماننا پڑیگا کہ امام بخاری و مسلم نے اس شرط کا ایفا نہیں کیا ۔ حالانکہ ان بزرگوں نے کبھی بھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ اس التزام کی ضرورت داعی ہو ۔

حافظ ابو عبداللہ بن المواق رقم فرماتیں ۔

لا اعلم احدًا روی عنهما انهما صرحا	میں نہیں جانتا کہ کسی ایک شخص نے بھی شیخین سے
بذلك ولا وجد له فی کتابیهما و	یہ روایت کی ہو کہ انہوں نے اس کی تصریح
لاخارجًا عنهما فان کان	کی ہے نہ اس کا صحیحین میں پتہ ہو نہ صحیحین کے علاوہ
قائل ذلك عرفه من مذهبهما	اورکہیں ۔ اگر اس کے قائل نے صحیحین میں شیخین
بالتصفح لتصرفهما فی کتابیهما	کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کا یہ مذہب سمجھا ہے تو
فلم یصب لان الامرین معا فی	اس نے غلطی کی کیونکہ صحیحین میں تو دونوں
کتابیهما وان کان اخذه من کون	قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور اگر اس نے صحیحین

ذلك اكثريا في كتابيهما فلا	میں اس قسم کی حدیثوں کو اکثر دیکھ کر یہ خیال کیا
دليل فيه على كونهما اشترطاه	ہو تو یہ شیخین کے نزدیک اس کے مشروط ہونے
ولعل وجه ذلك اكثريا انما هو	کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور غالباً اس کا وجود
لان من روى عنه واحد اكثر ممن لم	اکثری اس لیے ہے کہ عام طور پر رواۃ میں ایسے اشخاص
يرو عنه الا واحد في الرواة	زیادہ ہیں جن سے ایک سے زیادہ اشخاص نے
مطلقا لا بالنسبة الى من خرج له	روایت کی ہو۔ صحیحین کے رواۃ کی اس بارے میں
منهم في الصحيحين وليس من	کچھ خصوصیت نہیں اور یہ انصاف سے بالکل بعید ہے
الانصاف التزامهما هذا الشرط	کہ ان سے ثابت ہوئے بغیر اس شرط کو ان پر لازم
من غير ان يثبت عنهما ذلك مع	کر دیا جائے۔ حالانکہ انہوں نے صحیحین کو اس شرط
وجود اخلالهما به لانهما اذ	سے خالی رکھا ہے۔ کیونکہ جب ان کے متعلق
صح عنهما اشتراط ذلك كان في	اس کا اشتراط ثابت ہوگا تو اس کے چھوڑ دینے
اخلالهما به درك عليهما۔[1]	سے ان پر اعتراض عائد ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ابن المواق کے اس بیان کے متعلق فرماتے ہیں کہ هذا کلام مقبول وبحث قوي۔[2]

دوسرے امر کی بحث دوسری چیز جو حاکم کے کلام میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ "امام بخاری و مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث میں مشہور ہو"۔ علامہ ابن الجوزی بھی اس بارے میں حاکم کے ہم زبان ہیں۔ محدث سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص ۳۹ [2] ایضاً

وقال ابن الجوزی اشترط البخاری و مسلم الثقۃ والاشتہار (ص ۱۱)

ابن جوزی کا بیان ہے کہ امام بخاری و مسلم نے ثقاہت اور شہرت کو مشروط قرار دیا ہے۔

حافظ ابن طاہر نے اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ کیا ہے فرماتے ہیں:۔

ان شرط البخاری و مسلم ان یخرجا الحدیث المتفق علی ثقۃ نقلتہ الی الصحابی المشہور من غیر اختلاف بین الثقات الاثبات ویکون اسنادہ متصلاً غیر مقطوع فان کان للصحابی راویان فحسن و ان لم یکن لہ الا راو واحد اذ صح الطریق الی ذلک الراوی اخرجاہ[1]

امام بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حدیث کی تخریج کریں کہ اول سند سے لیکر صحابی مشہور تک جس کے ناقلین کی ثقاہت متفق علیہ ہو اور ثقات اثبات میں ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہو نیز اس کی سند متصل غیر منقطع ہو پھر اگر اس صحابی سے دو راوی ہوں تو فبہا ورنہ اگر اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس راوی تک رواۃ کا طریقہ صحیح ہو تو اس حدیث کی بھی دونوں تخریج کر لیتے ہیں۔

لیکن اس کو بھی صحیحین کی ہر روایت کے لیے شرط قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں:۔

ولیس ما قالہ بجید لان النسائی ضعف جماعۃ اخرج لہم الشیخان او احدھما[2].

ابن طاہر نے جو کہا ہے درست نہیں کیونکہ نسائی نے بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے ایک جماعت کی تضعیف کی ہے۔

حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی عراقی کا بیان نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

---

[1] شروط الائمہ الستہ ص ۱۰ [2] تدریب الراوی ص ۳۱ و شرح شرح نخبۃ الفکر لوجیہ الدین علوی ص ۲۲ طبع مجالی ۱۲۸۲ھ

قلت ما هذا مما اختص بالنسائی	میں کہتا ہوں کہ نسائی ہی کی اس بارے میں
بل شارکہ فی ذلک غیر واحد	خصوصیت نہیں بلکہ بہت سے ائمہ جرح و
من ائمۃ الجرح والتعدیل کما	تعدیل اس سلسلہ میں ان کے شریک ہیں چنانچہ
ھو معروف فی کتب ھذا الشان[1]	کتب رجال میں مشہور ہے۔

ساری جرحیں مبہم بھی نہیں بلکہ بہت سی مفسر ہیں چنانچہ محدث محمد امیر یمانی فرماتے ہیں۔

لا یخفی انہ لیس کل من جرح من رجال	مخفی نہ رہے کہ رجال صحیحین میں سے جس پر جرح
الصحیحین جرحہ مطلق بل فیہ	کی گئی ہے وہ جرح مطلق نہیں ہے بلکہ ان رواۃ
جماعۃ جرحوا جرحا مبین السبب[2]	میں ایک جماعت پر جرح مفسر ہے جس کے اسباب

ایک شبہ کا ازالہ لیکن اس سے یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ صحیحین میں جعلی یا موضوع حدیثیں موجود ہیں جیسا کہ بعض دشمنانِ اسلام منکرین حدیث کا خیال ہے۔ بلکہ لفظ شرط مدنظر رہے کیونکہ اس کے ماننے کا یہ مطلب ہے کہ صحیحین میں ایک بھی روایت ایسی موجود نہیں جو کسی متکلم فیہ یا مجروح راوی سے بیان کی گئی ہو۔ حالانکہ ان میں بعض روایات ایسی پائی جاتی ہیں جن کے سلسلہ سند میں کوئی متکلم فیہ یا مجروح راوی موجود ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس کو ہر روایت کے لیے شرط نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ شیخین سے اس بارہ میں ایک حرف منقول نہیں خصوصاً جبکہ بعض رواۃ کی تضعیف کا خود ان کو بھی اقرار ہے۔ البتہ ضعفاء سے روایت کے متعلق سوال ہو سکتا ہے جس کے متعلق ہم سابق میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ یہاں مزید اطمینان کے لیے صرف اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ بلا شبہ امام بخاری و مسلم کے نزدیک صحیح حدیث کی تخریج مشروط ہے۔ اس لیے رواۃ صحیحین کے لیے ثقاہت و شہرت کو بنیاد و اساس تو کہا جا سکتا ہے لیکن شرط نہیں کہا جا سکتا۔ پس اگر ضعف راوی متابعات و شواہد سے جاتا رہے تو اس کی روایت صحیح ہو گی

---

[1] تنقیح الانظار قلمی ص۳۱ [2] توضیح الافکار قلمی ص ۶۱۔

اور ایسی ہی صورت میں امام بخاری یا امام مسلم اس روایت کو اپنی صحیح میں داخل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تصریح فرماتے ہیں۔

ان ما قاله ابن طاهر هو الاصل الذی بنیا علیه وقد یخرجان عنه لمرجح یقوم مقامه[1]

بلاشبہ ابن طاہر کا جو بیان ہے شیخین نے اسی اصول پر بنیاد رکھی ہے البتہ کبھی کبھی اس اصول کو اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ کوئی وجہ ترجیح اس اصول کی قائم مقام ہوتی ہے۔

اور علامہ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی الروض الباسم میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ امام بخاری نے ایک جماعت کی تضعیف کی صراحت کی ہے اور ان سے صحیح میں تخریج بھی کی ہے فرماتے ہیں:۔

ان صاحبی الصحیح قد یخرجان من الطریق التی فیها ضعف لوجود متابعات وشواهد تجبر ذلك الضعف وان لم تورد تلك المتابعات والشواهد فی الصحیحین قصدا للاختصار والتقریب علی طلبة العلم مع ان تلك المتابعات والشواهد معروفة فی الکتب البسیطة والمسانید الواسعة وربما اشار بعض شراح الصحیحین الی شیء منها ج ۱ ص ۱۰۳

امام بخاری ومسلم کبھی کبھی طریق ضعیف سے حدیث کی تخریج کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث کے متابعات وشواہد موجود ہوتے ہیں جن سے وہ ضعف جاتا رہتا ہے اگرچہ وہ متابعات وشواہد صحیحین میں اختصار اور طلبۃ العلم کی آسانی کے لیے مذکور نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ متابعات وشواہد بڑی بڑی کتابوں اور ضخیم مسندوں میں مشہور ومعروف ہوتے ہیں اور ربما الاوقات شارحین صحیحین ان کی طرف اشارے کرتے جاتے ہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص ۴۳

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہوتی ہے مگر ایک سلسلہ سند دراز اور لمبا ہوتا ہے اور دوسرا چھوٹا اور مختصر لیکن اس میں کوئی متکلم فیہ راوی پایا جاتا ہے شیخین حدیث کو دوسرے سلسلہ سے روایت کرتے ہیں کیونکہ سند جتنی مختصر ہوگی اتنی ہی عالی کہلائیگی اور اوّل طریقہ کو اس کے نازل ہونے اور نیز تکرار سے بچنے کے خیال سے ذکر نہیں کرتے۔ چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی شروط الائمۃ الخمسہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ثم قد یکون الحدیث عند البخاری عالیا و لہ طرق بعضہا ارفع من بعض غیر انہ یمیل احیانا عن الطریق الاصح لنزولہ او یسام تکرار الحدیث الی غیر ذٰلک وقد صرح مسلم بنحو ذٰلک [۲۳]	علاوہ بریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخاری کی حدیث باعتبار سند عالی ہوتی ہے اور اس حدیث کے متعدد طرق ہوتے ہیں جن میں بعض بعض سے اچھے ہوتے ہیں، اور امام بخاری زیادہ صحیح سلسلہ سند کی طرف نازل ہونے یا تکرار حدیث یا دیگر اسباب کی بنا پر متوجہ نہیں ہوتے اور امام مسلم سے تو اس قسم کی تصریح بھی موجود ہے۔

شیوخ شیخین و تبع تابعین کے لیے حفظ و اتقان کی شرط

مذکورہ بالا بحث سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہوگیا کہ جب صحیحین کے ہر راوی کے لیے ثقاہت شرط لازم نہیں تو پھر شیوخ شیخین اور تبع تابعین کے لیے حفظ و اتقان کیونکر لازم ہوسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں اتباع تابعین اور شیوخ شیخین میں سے متعدد اشخاص کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ وہ حافظ یا متقن نہیں تھے۔ اسی طرح حافظ علائی نے صاف لفظوں میں تحریر کیا ہے۔

ولیس کونہ حافظا شرطا [۱] — اور ہر راوی کا حافظ ہونا شرط نہیں۔

---

[۱] تدریب الراوی ص۴۶

اصطلاح سلف میں حافظ اس کو کہا جاتا تھا جو کم از کم بیس ہزار حدیثیں املا کرا دے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط روات صحیحین میں سے ہر تبع تابعی یا شیوخ شیخین میں سے ہر ایک میں کہاں موجود ہو۔

شرائط شیخین کے بارے میں قول فیصل — ہماری رائے میں امام بخاری یا امام مسلم کے نزدیک بجز اس کے کوئی امر مشروط نہیں کہ وہ صحیحین میں جو حدیث نقل کرینگے وہ اُن کے نزدیک صحیح ہوگی۔ اس ایک شرط کے علاوہ کسی شرط کی پابندی اُنہوں نے اپنے پر لازم نہیں قرار دی۔ حاکم بیہقی اور بعد کے علماء نے اس باب میں جو کچھ داد تحقیق دی ہے اس کی بنیاد سراسر حسنِ ظن اور قلت تتبع پر ہے چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی تحریر فرماتے ہیں۔

ومنشأ ذلك اما ایثار الدعة وترك	اس کا منشا یا آرام طلبی اور ترک مشقت ہے یا
الدأب واما حسن الظن بالمتقدم[1]	متقدمین کے متعلق حسن ظن۔

شیخین سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں — طرفہ یہ کہ ان بزرگوں میں سے بعض کو اقرار بھی ہے کہ امام بخاری و مسلم سے اس بارے میں ایک حرف منقول نہیں مگر پھر بھی اصرار ہے کہ بلاشبہ شیخین نے ان کی بیان کردہ فلاں فلاں شرائط کی پابندی کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن طاہر فرماتے ہیں:۔

اعلم ان البخاری ومسلما ومن ذکرنا	اس کا علم رہے کہ بخاری و مسلم اور ان لوگوں
بعدھم لم ینقل عن واحد منھم	میں سے کسی ایک نے بھی جن کا ہم نے بعد میں
انہ قال شرطت ان اخرج فی	ذکر کیا ہے (یعنی بقیہ ارباب صحاح) یہ منقول
کتابی ما یکون علی الشرط الفلانی	نہیں ہے کہ اس نے بیان کیا ہو کہ میں اپنی
وانما یعرف ذلك من سبر کتبھم	کتاب میں اس حدیث کو روایت کرونگا جو
فیعلم بذلك شرط کل رجل منھم	فلانی شرط پر ہوگی۔ البتہ جو شخص ان کی کتابوں
(ص ۴)	کو پرکھتا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم

---

[1] تدریب الراوی ص۲۵ [2] شروط الائمۃ الخمسہ ص ۴۔

لیکن اس پرکھ کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ اس کی حیثیت ظن وتخمین سے زیادہ نہیں ۔ علامہ محمد امیر یمانی توضیح الافکار میں رقمطراز ہیں :۔

انما هو تظنين وتخمين من العلماء انه شرط لهما اذ لم يات عنهما تصريح بما شرطاه نعم مسلم قد ابان فی مقدمة صحيحه من يخرج عنهم ـ حاشیہ ص ۲۷

یقیناً یہ محض علماء کا ظن وتخمین ہے کہ ان کی شرط یہ ہے اور یہ ہے کیونکہ اس بارہ میں شیخین سے کوئی تصریح منقول نہیں۔ ہاں امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں ظاہر کر دیا ہے کہ وہ کن اشخاص سے احادیث

اور نواب صدیق حسن خاں منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"محقق شدہ کہ شرط شیخین معلوم نیست و نہ شیخین بداں در کتابہائے خود تصریح کردہ اند و نہ در غیر آں بلکہ حفاظ تتبع کردہ از منہج ایشاں استخراج شروط کردہ اند و ضرور نیست کہ آنچہ ایشاں آنرا شرط فہمیدہ اند۔ ہماں شرط بخاری و مسلم باشد لہذا انظار ایشاں دریں شرط مختلف واقع شدہ اند و بعض بر بعض رد کردہ اند چنانچہ حازمی و ابن طاہر بر حاکم در آنچہ آنرا شرط شیخین زعم کردہ رد نمودہ اند و ایں معنے معروف است حافظ در اوائل مقدمہ فتح الباری مسمی بہدی الساری بذکرش پرداختہ" (ص ۲۹ طبع شاہجہانی)

حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی نے ائمہ خمسہ امام بخاری و مسلم و نسائی و ابو داؤد و ترمذی کی شروط پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جو شروط الائمۃ الخمسہ کے نام سے موسوم ہے یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے انہوں نے اس موضوع پر اس کتاب میں نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور آخر میں اپنی تحقیق کا نتیجہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے ۔

ان قصد البخاری کان وضع مختصر فی الصحیح ولم یقصد الاستیعاب

امام بخاری کا مقصد صحیح احادیث کی ایک مختصر کتاب کا تالیف کرنا تھا استیعاب ان کا

لا فی الرجال ولا فی الحدیث و — مقصود نہیں تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں

ان شرط ان یخرج ما صح عندہ — اگرچہ اُنہوں نے یہ شرط کی ہے کہ وہ جس حدیث

لانہ قال لم اخرج فی ھذا الکتاب — کی بھی تخریج کرینگے وہ ان کے نزدیک صحیح ہوگی

الا صحیحا ولم یتعرض لشیءٍ اخر[۲۸] — کیونکہ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب

میں جس حدیث کی بھی روایت کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کے وہ درپے نہیں۔

امام مسلمؒ کی شرط کے متعلق ارشاد ہے۔

واما شرط مسلم فقد صرح بہ فی — امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اپنی شرط کو

خطبۃ کتابہ[۲۹] — واضح کر دیا ہے

سب جانتے ہیں کہ دیباچہ صحیح مسلم میں حاکم، بیہقی، ابن طاہر وغیرہ نے شرط شیخین کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ایک حرف منقول نہیں۔

غرض یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے صحیحین میں بجز اس کے کہ "ان میں جو حدیثیں درج کی جائیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوں" اور کسی شرط کی پابندی اپنے اوپر لازمی نہیں قرار دی۔ اور اس بارے میں ان کو دیگر مخرجین صحاح مثلاً امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ پر کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں ومن ادعی خلاف ذلک فعلیہ البیان۔

قسم اول کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچی

قسم اول کی احادیث کی تعداد کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔

"جو حدیثیں کہ اس شرط کے مطابق مروی ہیں ان کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی"

لیکن اس بیان کی بنیاد بھی اسی پر ہے کہ مرویات صحیحین دس ہزار سے کم ہیں ورنہ ان کی تعداد اتنی کثیر نہیں کہ دس ہزار تک پہنچ سکے۔ حافظ ابو بکر حازمی شروط الائمۃ الخمسہ میں حاکم کا بیان نقل کرنے کے

بعد لکھتے ہیں۔

فهذا ظنا منه بانهما لم يخرجا الا على ما رسم وليس كذلك فان اقسم ما يمكن اعتباره في الصحة هو شرط البخاري ولا يوجد في كتابه من النحو الذي اشار اليه الا القدر اليسير ص	یہ حاکم کے اس خیال کی بنا پر ہے کہ شیخین نے ان کی بیان کردہ شرائط ہی کے موافق روایات کی تخریج کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ صحت کیلئے زیادہ کو زیادہ جس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے وہ شرط بخاری ہے اور خود بخاری کی کتاب میں ہی تھوڑی تعداد میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو حاکم کی بیان کردہ شرط کے مطابق ہوں۔

کیا مسلم نے تین قسم کے رواۃ سے تخریج صحیح کا ارادہ کیا تھا

حاکم نے اسی سلسلہ میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ

"مسلم بن الحجاج کا یہ ارادہ تھا کہ صحیح کی تخریج تین قسم کے رواۃ سے کی جائے لیکن جب وہ اس پہلی قسم کی احادیث کی تدوین سے فارغ ہوئے تو گو ابھی سن کہولت ہی میں تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے رحلت کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ"

امام مسلمؒ نے مقدمہ صحیح کے اوائل میں بیان فرمایا ہے کہ وہ احادیث کی تین قسمیں کریں گے۔

(۱) وہ حدیثیں جن کو حفاظ و متقنین نے روایت کیا ہے۔

(۲) وہ احادیث جو ایسے لوگوں سے مروی ہیں جن کا حفظ و اتقان تو متوسط درجہ کا تھا مگر صدق و ستر سے موصوف تھے اور علم میں ممتاز۔

(۳) وہ روایات جن کو صرف ضعفاء و متروکین ہی نے بیان کیا ہے۔

نیز یہ بھی صراحت کی ہے کہ پہلی قسم کی احادیث کے ساتھ ساتھ وہ دوسری قسم کی حدیثیں بھی ذکر کرتے جائینگے۔ البتہ تیسری قسم کی روایات کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوں گے۔

امام مسلمؒ کے اس بیان سے ان کی مراد کے سمجھنے میں علماء باہم مختلف الرائے ہیں۔ حاکم کا بیان اس سلسلہ میں آپ کی نظر سے گزر چکا۔ ان کے مشہور شاگرد محدث بیہقی بھی اس بارے میں ان کے ہمزبان ہیں۔[۵۱] قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں حاکم پر سخت نکتہ چینی کی ہے تاہم بہت سے لوگ ان کے ہمخیال ہیں خود قاضی صاحب کو اقرار ہے۔

وهذا مما قبله الشيوخ والناس من الحاكم ابي عبد الله وتابعوه عليه۔ [۵۲]	ابوعبداللہ حاکم کے اس بیان کو شیوخ اور سب لوگوں نے قبول کر لیا ہے اور اس سلسلہ میں انہی کی پیروی کی ہے۔

لیکن حاکم کا یہ بیان امام مسلم کی تصریح کے بالکل برخلاف ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ صحیح سے اصل عبارت نقل کرنے کے بعد اسکی روشنی میں اس بیان کو جانچا جائے۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں۔

انا نعمد الى جملة ما اسند من الاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فنقسمها على ثلاثة اقسام وثلاث طبقات من الناس۔ [۵۳]	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مسند کے بیشتر حصے اعتنا کریں گے اور ان کی تین قسمیں کر کے رجال کے بھی تین طبقات قرار دیں گے۔

چنانچہ قسمِ اول کے متعلق ارشاد ہے۔

اما القسم الاول فانا نتوخى ان نقدم الاخبار التي هي اسلم من العيوب من غيرها وانقى من ان يكون ناقلوها اهل استقامة في الحديث واتقان لما نقلوا	قسمِ اول کی نسبت ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان تمام احادیث کو مقدم رکھیں گے جو دیگر روایات کی بہ نسبت عیوب سے پاک صاف ہونگی ان کے ناقلین حدیث میں پکے اور نقل میں متقن

---

[۵۱] مقدمہ شرح مسلم للنووی ج۱ ص۱۲ طبع مصر۔ [۵۲] ایضاً۔ [۵۳] صحیح مسلم ج۱ ص۲ طبع مصر

لم یوجد فی روایتھم اختلاف شدید
ولا تخلیط فاحش ۱؎

ہوں گے جن کی روایات میں نہ سخت اختلاف
ہوگا نہ کھلی گڑبڑ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فاذا نحن تقصینا اخبار ھذا الصنف
من الناس اتبعناھا اخبارا یقع فی
اسانیدھا بعض من لیس بالموصوف
بالحفظ والاتقان کالصنف المقدم
قبلھم علی انھم وان کانوا فیما وصفنا
دونھم فان اسم الستر والصدق
وتعاطی العلم یشملھم ۲؎

پھر جب ہم اس قسم کے لوگوں سی پورے طور پر حدیثیں
بیان کرچکیں گے تو ان کے متصل ہی ایسی احادیث
بھی لائینگے جن کی اسانید میں بعض ایسے لوگ ہوں گے
جو حفظ و اتقان میں تواتنے نہیں جتنا کہ پہلا طبقہ
تاہم باوجود ان سے حفظ و اتقان میں کم ہونے کے
ستر و صدق سے متصف ہیں اور علماء کے زمرہ
میں شامل۔

تیسری قسم کے متعلق رقمطراز ہیں۔

فاما ما کان عن قوم ھم عند اھل الحدیث
متھمون او عند الاکثر منھم فلسنا
نتشاغل بتخریج حدیثھم۔ ۔ ۔ ۔
وکذلک من الغالب علی حدیثھم
المنکر والغلط امسکنا ایضاً عن
حدیثھم۔ ۳؎

لیکن ان لوگوں کی روایات جو محدثین یا ان کی
اکثریت کے نزدیک متہم ہیں تو ہم ان کی حدیث کی
تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔
اور اسی طرح وہ لوگ کہ جن کی حدیث پر نکارت غالب
ہے یا بیشتر غلطی کرتے ہیں ان کی حدیث کے
بیان کرنے سے بھی باز رہیں گے۔

امام مسلم کا بیان آپ کے سامنے ہے اب حاکم کا یہ کہنا کہ مسلم بن الحجاج کا یہ ارادہ تھا کہ صحیح کی تخریج

۱؎ صحیح مسلم ج۱ ص۴ طبع مصر۔ ۲؎ مقدمہ صحیح مسلم ص۴ وص۵ ج۱۔ ۳؎ ایضاً ص۵ وص۶۔

تین قسم کے رواۃ سے کی جائے؟ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے. جبکہ تیسری قسم کے متعلق خود ان کی تصریح موجود ہے کہ وہ اس کی تخریج سے باز رہیں گے. ظاہر ہے کہ متہمین اور منکر الحدیث رواۃ سے صحیح کی تخریج کسی طرح نہیں کی جا سکتی. علامہ امیر یمانی توضیح الافکار میں رقمطراز ہیں۔

ان تاویل الحاکم بانہ انما یاتی بالطبقۃ الاولی غیر صحیح لانہ صرح انہ بعد تقصی اخبار اھل الطبقۃ الاولی یاتی باھل الطبقۃ الثانیۃ والظاھر انہ یاتی بھم فی کتابہ ھذا لا غیرہ[۱]

حاکم کا یہ مراد لینا کہ مسلم صرف طبقہ اولی ہی کی حدیثیں بیان کریں گے یقیناً صحیح نہیں کیونکہ خود مسلم نے تصریح کی ہے کہ وہ پہلے طبقہ کی احادیث روایت کرنے کے بعد دوسرے طبقہ سے روایتیں بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ وہ اسی صحیح میں بیان کرتے ہیں کسی اور کتاب میں

قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیقی بحث کی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے فرماتے ہیں۔

"ایک محقق کی نظر میں جو بے دلیل بات کے ماننے کا پابند نہیں حاکم کا بیان غیر صحیح ہے. کیونکہ جب حسب بیان مسلم کتابت حدیث کے متعلق ان کی طبقات سہ گانہ کی تقسیم پر غور کیا جائے تو ان کا بیان یہ ہے کہ پہلی قسم میں حفاظ کی حدیثیں داخل ہیں اور جب وہ اس سے فارغ ہوں گے ان لوگوں کی روایتیں ذکر کریں گے جو حذق و اتقان سے موصوف نہیں تاہم اہل ستر و صدق میں سے ہیں اور زمرہ علماء میں داخل. پھر ان لوگوں کی روایت کے ترک کرنے کے متعلق کہا ہے جن کے متہم ہونے پر علماء کا اجماع ہے یا ان کی اکثریت کا اتفاق ہے. اور اس طبقہ کا ذکر نہیں کیا جو بعض کے نزدیک متہم ہے اور بعض نے ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے. میں نے صحیح مسلم کے ابواب میں اول کے دونوں طبقوں کی روایات کو پایا ہے. دوسرے طبقہ کی اسانید کو پہلے طبقے کی متابعت یا استشہاد کیلئے ذکر کیا ہے یا جہاں پہلے طبقہ کی احادیث نہ مل سکیں تو دوسرے طبقے سے حدیثیں ذکر کی ہیں. نیز ان لوگوں سے بھی

---

[۱] توضیح الافکار قلمی ص۶۳

روائتیں کی ہیں جن پر ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور دوسری جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ان لوگوں سے بھی روایات موجود ہیں جن کی تضعیف کی گئی ہے یا جن پر بدعت کا اتہام ہے۔ بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پس میرے نزدیک مسلم نے اپنے کہنے کے مطابق تینوں طبقات کی روایات درج کی ہیں اور کتاب کی ترتیب میں اپنی بیان کردہ تقسیم کا لحاظ رکھا ہے۔ چوتھے طبقے کو حسب تصریح نظر انداز کر دیا۔ حاکم یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ ہر طبقے کیلئے علیحدہ مستقل کتاب تصنیف کرینگے اور ہر ایک کی حدیثیں جداگانہ روایت کرینگے حالانکہ مسلم کا یہ مقصد بالکل نہیں بلکہ ان کی مراد جیسا کہ ان کی تالیف سے ظاہر اور ان کے مقصود سے واضح ہے یہ ہے کہ وہ ابوابِ کتاب میں اس کا لحاظ رکھتے ہیں اور دونوں طبقوں کی احادیث کو بیان کرتے ہیں پہلے طبقے کی روایات کو اول میں اور دوسری قسم کی حدیثوں کو بطور متابعت واستشہاد بعد میں یہانتک کہ تینوں قسم کی احادیث کا بیان ہو جائے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ طبقاتِ سہ گانہ سے حفاظ پھر ان سے نیچے درجے کے رواۃ اور پھر ان سے بھی نیچے تیسرے درجے کے جن کو کہ مسلم نے نظر انداز کر دیا ہے مراد ہوں۔

اس کا بھی خیال رہے کہ مسلم نے علل حدیث کے ذکر کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا چنانچہ متعدد مواقع پر ابواب کتاب میں اس کو بیان کیا اور اختلافِ اسناد مثلاً ارسال، رفع، زیادت ونقص کو واضح کیا۔ نیز تصحیفات محدثین کو بھی بتایا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تالیف کتاب سے جو ان کا مقصد تھا اس کا انھوں نے بجا طور پر لحاظ رکھا اور کتاب میں جن چیزوں کے بیان کرنیکا وعدہ کیا تھا ان کو پورا کیا۔[1]

اپنی اس بحث کے متعلق قاضی عیاض لکھتے ہیں۔

"اپنی اس بحث اور اس رائے کو میں نے اہلِ فن کے سامنے پیش کیا تو میں نے دیکھا کہ ہر انصاف پسند نے اس کو درست بتایا اور میرا بیان اس پر واضح ہو گیا۔ اور جو شخص بھی کتاب پر غور کرے اور تمام

---

[1] مقدمہ شرح مسلم للنووی ص۲۳ و ص۲۴ ج۱

ابواب کا مطالعہ کرے اس پر یہ بات ظاہر ہے۔ [1]

محدث نووی قاضی عیاض کے بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وھذا الذی اختارہ ظاہر جدا [2] قاضی عیاض نے جو پسند کیا ہے بالکل ظاہر ہے۔

کیا باور کیا جاسکتا ہے کہ احادیث نبویہ کی تعداد ۱۰ ہزار سے بھی کم ہے

اس سلسلہ میں حاکم نے بڑی عمدہ بحث کی ہے جو ممکن ہے کہ کوتاہ نظر منکرین حدیث کیلئے شمع بصیرت کا کام دے۔ فرماتے ہیں۔

"یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ احادیث نبویہ کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی جبکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ میں سے چار ہزار مرد اور عورتوں نے روایتیں بیان کی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں تئیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے شرف اندوز رہے۔ جنھوں نے آپ کے اقوال و افعال، خواب اور بیداری، حرکت اور سکون، نشست و برخاست، مجاہدہ و عبادت، سیرت و شمائل، سرایا و مغازی، مزاح اور زجر، خطبات و مواعظ، اکل و شرب، رفتار و گفتار، خاموشی اور سکوت، ازواج مطہرات سے خوش طبعی، گھوڑوں کا سدھانا، مسلمانوں اور مشرکوں کے نام آپ کے نامے، عہود و مواثیق، غرض ہر لحظہ و ہر منٹ کے تمام حالات کو یاد رکھا ہے اور یہ سب ان احکام شریعت، عبادات اور حلال و حرام کے علاوہ ہے جنکی ہر چیز کو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور حفظ کیا ہے۔ اور ان تمام قضایا اور فیصلوں کے علاوہ ہے جنکو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر و حاکم کے فیصل فرمایا۔"

چنانچہ اس سلسلہ میں حاکم نے ان متعدد روایات کو پیش کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض معمولی معمولی باتیں تک مذکور ہیں۔ جیسے آپ کی سواری کی رفتار، حضور کا مزاح۔ بچوں کو کھلانا کھڑے ہو کر پانی نوش فرمانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد رقمطراز ہیں کہ۔

---

[1] و [2] مقدمہ شرح مسلم للنووی ص ۲۳ ج ۱

"کیا ان حالات میں ذرا دیر کے لئے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ جو میدان جہاد میں صف در صف نظر آتے ہیں بغیر کسی روایت اور حدیث کے بیان کئے ہوئے اللہ کے گھر سدھا گئے۔ عام الفتح میں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فروکش ہوئے ہیں تو پندرہ ہزار سوا کی جمعیت ہمرکاب تھی۔ حدیث کے متعدد حافظ ایسے گزرے ہیں کہ پانچ لاکھ حدیثیں جن کی نوکِ زبان پر تھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات[1] لاکھ ہے۔ امام اسحٰق بن راہویہ اپنے حافظے سے ستر ہزار احادیث کا املا کرتے تھے۔ حافظ ابو کریب نے کوفہ میں تین لاکھ حدیثیں بیان کیں۔ محدث ابو بکر بن ابی دارم سے میں نے سنا ہے فرماتے تھے کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے ابو جعفر حضرمی مطیّن سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ محمد بن مسیب کا بیان ہے کہ جب میں مصر میں قطع مسافت کر رہا تھا تو میرے پاس ایک سو جزو تھے اور ہر جزو میں ایک ہزار حدیثیں۔

---

[1] واضح رہے کہ اس تعداد میں اقوال صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

ارادما صح من الاحادیث واقاویل الصحابة والتابعین (تدریب الراوی ص۳)
امام احمدؒ کی مراد احادیث اور ان اقوال صحابہ و تابعین سے ہے جو صحیح ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ محدثین کے نزدیک جہاں حدیث کے صحابی مختلف ہوئے۔ متعدد حدیثیں شمار کی گئیں گو الفاظ معانی اور واقعہ ایک ہی ہو لیکن فقہا کے نزدیک معنی کا اعتبار ہے جب تک معنی ایک ہونگے حدیث بھی ایک ہی سمجھی جائیگی پس اگر کسی حدیث کو مثلاً دس صحابہؓ نے بیان کیا تو محدثین کے نزدیک وہ دس حدیثیں کہلائیں گی اور فقہاء کے نزدیک ایک شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بستان المحدثین میں فرماتے ہیں۔

"باید دانست کہ نزد محدثین ہرگاہ کہ صحابی مختلف شد حدیث دیگر گشت گو الفاظ و معنی و قصہ متحد باشد بر خلاف عرف فقہا کہ نزد ایشاں اعتبار معنی ست فقط تا وقتیکہ اصل معنی واحد ست حدیث واحد ست بلکہ خصوصیات زائدہ بر اصل معنی نیز نزد ایشاں دخل ندارد و محط فائدہ و ماخذ حکم را می بینند و الحق نظر ایشاں کہ استنباط ست ہمیں را تقاضا میکند" ص۲۹ طبع مجتبائی دہلی

امام احمدؒ نے یہ تعداد محدثین ہی کی اصطلاح کے مطابق بیان کی ہے۔

حاکم فرماتے ہیں کہ خود ہمارے زمانے میں ایک جماعت محدثین نے جو مسندیں تراجم رجال تصنیف کی ہیں ان میں سے ہر ایک ایک ایک ہزار جزو کی ہے۔ چنانچہ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن حمزہ اصفہانی اور ابو علی حسین بن محمد بن احمد الماسرجسی بھی ان ہی لوگوں میں ہیں۔"

صحیح متفق علیہ کی دوسری قسم | حدیث صحیح کی دوسری قسم کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔

"صحیح کی دوسری قسم وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے روایت کیا ہو اور اسی طرح بروایت ثقات حفاظ سلسلہ سند صحابی تک متصل ہو لیکن اس صحابی سے اس حدیث کا ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا راوی نہ ہو جیسے حضرت عروہ بن مضرس طائی کی حدیث کہ میں رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے مزدلفہ میں آکر ملا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں بنی طے کی دونوں پہاڑیوں (سلمی و اجا) کو طے کر کے آرہا ہوں۔ مجھے بڑی مشقت اٹھانی پڑی۔ میری سواری تھک گئی۔ خدا کی قسم راستے میں کوئی پہاڑ ایسا نہیں آیا جہاں مجھے اترنا نہ پڑا ہو۔ تو کیا اب بھی میرا حج نہیں ہو سکتا؟ آپ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز ادا کی اور ایک دن یا ایک رات پہلے عرفہ میں آگیا اس کا حج پورا ہوا اور احرام کھل گیا۔

حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اصول شریعت میں داخل اور فقہاء فریقین میں مقبول و متداول ہے لیکن بخاری و مسلم نے اس بنا پر صحیحین میں اس کی تخریج نہیں کی کہ اس حدیث کو حضرت عروہ بن مضرس سے بجز شعبی کے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ عروہ کے علاوہ بھی ایسے بہت سے صحابہ میں جیسے عمیر بن قتادہ لیثی کہ ان سے بجز ان کے بیٹے عبید کے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اسی طرح ابو لیلیٰ انصاری سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کے سوا دوسرا راوی نہیں۔ قیس بن ابی غرزہ غفاری نے باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایتیں کی ہیں لیکن ان سے صرف ایک ہی راوی ہیں ابو وائل شقیق بن سلمہ (ابو وائل کوفہ کے اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ عثمانؓ و علیؓ اور دیگر

صحابہ سے ملے ہیں) اسامہ بن شریک اور قطبہ بن مالک دونوں مشہور صحابی ہیں مگر زیاد بن علاقہ کے سوا جو کبار تابعین میں سے ہیں ان سے کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح مرداس بن مالک اسلمی، مستورد بن شداد فہری، دکین بن سعید مزنی سب کے سب صحابی ہیں لیکن قیس بن ابی حازم کے علاوہ ان تینوں بزرگوں سے کوئی اور روایت بیان نہیں کرتا۔ (قیس کبار تابعین میں سے ہیں عہد نبوی میں ان کی ولادت ہوئی اور خلفاء اربعہ کی صحبت سے شرف اندوز ہوئے)۔

غرض ایسی مثالیں بہت ہیں۔ بخاری و مسلم نے اس قسم کی صحیح میں تخریج نہیں کی ہے لیکن یہ حدیثیں فریقین میں متداول ہیں اور ان اسانید سے سب احتجاج کرتے ہیں۔"

حاکم کی حیرت انگیز اختلاف بیانی صحیحین میں اس قسم کی تخریج کے متعلق سابق میں مفصل بحث سپرد قلم کی جا چکی ہے۔ جس سے حاکم کے اس بیان کی حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ مستدرک علی الصحیحین حاکم نے المدخل کے بعد تصنیف کی ہے۔[۱] لیکن اس میں بھی اس مسئلہ پر ان کی تحریر میں سخت تضاد ہے چنانچہ جہاں انھوں نے متعدد مواقع پر اپنے اس بیان کی موافقت کی ہے کئی مقامات پر خود ہی اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ مثلاً عبداللہ بن شقیق کی حدیث لید خلن الجنۃ بشفاعۃ رجل من امتی الحدیث[۲] اور حدیث عبدالرحمٰن بن ازہر انما مثل العبد المومن حین یصیبہ الرعد والحمی الحدیث[۳] اور حدیث اذا توضأت فخلل الاصابع[۴] نیز حدیث سمامسرۃ[۵] اور عمرو بن تغلب کی اشراط الساعۃ والی روایت[۶] کو ذکر کرنے کے بعد شیخین کے ان روایات کے نقل نہ کرنے کی یہی وجہ بتائی ہے۔ لیکن متعدد مواقع پر اس کے بالکل برخلاف بھی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حدیث ما جعل اللہ اجل رجل بارض الا جعلت لہ فیہا حاجۃ کو روایت کر کے فرماتے ہیں۔

---

[۱] دیکھو المستدرک علی الصحیحین ص ۴۲ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ [۲] ایضاً ص ۱۷۱/۱۲۔ [۳] ایضاً ۴۲/۱۲۔ [۴] ایضاً ص ۱۸۱/۱۲ [۵] ایضاً ص ۵/۲۵۔ [۶] ایضاً ص ۷/۲۵

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين — یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے کیونکہ دونوں نے
فقد اتفقا جميعاً على اخراج جماعة — صحابہ کی ایک جماعت سے ایسی حدیث کی تخریج
من الصحابة ليس لكل واحد منهم — پر اتفاق کیا ہے جس کا ان سے صرف ایک ہی
الا راو واحد ص ۲۲ ج ۱ — راوی ہے۔

میرے خیال میں اس بارے میں ان کا حال بالکل قاضی ابوبکر بن العربی کا سا ہے کہ پہلے تو شیخین کے متعلق اپنے دل میں یہ باور کر لیا کہ انھوں نے ان کی مزعومہ شرط کی پابندی کی ہے، چنانچہ جابجا اپنے اس خیال کو نہایت ہی وثوق کے ساتھ پیش کرتے رہے۔ پھر جب دیکھا کہ صحیحین میں بعض روایات ایسی بھی موجود ہیں جن سے ان کے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے اور اس قسم کی روایات کے بیان کرتے وقت اس کا خیال بھی رہا تو الٹا شیخین ہی کو الزام دیدیا کہ ان کو بھی اس سے احتجاج لازم تھا۔ کیونکہ یہ ان کی شرط کے مطابق ہے ورنہ اپنے پہلے ہی دعوی کا اعادہ فرمادیا کہ چونکہ اس روایت میں تابعی صحابی سے منفرد ہے اس لئے شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

چنانچہ شریح بن ہانی کی حدیث یارسول الله اى شئ يوجب الجنة قال عليك بحسن الكلام وبذل الطعام کو بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

"یہ حدیث مستقیم ہے جس میں کوئی علت موجود نہیں۔ شیخین کے نزدیک اس میں علت یہ ہے کہ ہانی بن زید سے ان کے بیٹے شریح کے علاوہ کوئی اور راوی نہیں اور میں اس کتاب کی ابتدا میں یہ شرط بیان کر چکا ہوں کہ ایک معروف صحابی سے جب ایک مشہور تابعی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہم کو نہ مل سکے تو ہم اس کی حدیث سے احتجاج کر لیں گے اور اس کو صحیح قرار دینگے کیونکہ وہ بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ اسلئے کہ بخاری نے مرداس اسلمی سے قیس بن ابی حازم کی حدیث يذهب الصالحون سے احتجاج کیا ہے۔ اسی طرح عدی بن عمیرہ سے قیس کی روایت

من استعملناه علی عمل کو بطور حجت بیان کیا ہے حالانکہ ان دونوں سے بجز قیس کے اور کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح مسلم نے ان احادیث سے جن کو ابومالک اشجعی اور مجزاۃ بن زاہر اسلمی اپنے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں احتجاج کیا ہے۔ لہذا بخاری و مسلم دونوں کو اپنی اس شرط کی بنا پر شریح کی حدیث سے احتجاج کرنا لازم ہے۔" سلہ

کیا خوب خود ہی تو اپنے خیال کے مطابق شیخین کی طرف سے اس حدیث میں ایک علت پیش کی اور پھر خود ہی ان کو الزام دینے لگے۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

لطف یہ کہ سامحت سے ان کا یہ بیان بھی خالی نہیں کیونکہ عدی بن عمیرہ کی اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے نہ بخاری نے اور زاہر اسلمی کی روایت بخاری میں ہے نہ کہ مسلم میں۔

المدخل میں تصریح کی تھی کہ مرداس اسلمی سے صحیحین میں روایت نہیں کی گئی۔ مستدرک میں خود انہوں نے بخاری میں ان کی روایت کو مان لیا۔ اسی طرح مستورد بن شداد فہری اور قطبہ بن مالک کے متعلق جو کہا ہے کہ شیخین ان سے روایت نہیں کرتے وہ بھی غلط ہے کیونکہ مسلم میں مستورد کی بواسطہ قیس بن ابی حازم اور قطبہ کی بواسطہ زیاد بن علاقہ روایتیں موجود ہیں۔ سلہ

صحیح متفق علیہ کی تیسری قسم | اس کے متعلق ارشاد ہے کہ

"صحیح کی تیسری قسم تابعین کی وہ احادیث ہیں جن کو انھوں نے صحابہؓ سے روایت کیا ہے اور وہ تابعین سب ثقات ہیں لیکن ہر تابعی سے صرف ایک ہی اس حدیث کا راوی ہے جیسے محمود بن جنین سلہ، عبدالرحمن بن فروخ، عبدالرحمن بن سعید، اور زیاد بن الحرد وغیرہم کہ ان سب سے بجز عمرو بن دینار کے جو اہل مکہ کے امام ہیں اور کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح ایک جماعت تابعین سے جن میں عمرو بن ابان بن عثمان، محمد بن عروہ بن زبیر، عقبہ بن سوید انصاری، سنان بن ابی سنان

سلہ مستدرک ج ۱ ص ۲۳ سلہ شروط الائمہ الخمسہ للحازمی ص ۵ و ۱۰ سلہ تدریب الراوی میں انکا نام محمد بن جبیر مذکور ہے دیکھو ص ۴۵

دولی وغیرہ داخل ہیں۔ امام زہری روایت میں متفرد ہیں ایسے ہی یحییٰ بن سعید انصاری تابعین کی

ایک جماعت سے جیسے یوسف بن مسعود زرقی، عبداللہ بن انیس انصاری، عبدالرحمٰن بن مغیرہ

سے اکیلے راوی ہیں۔ صحیحین میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں حالانکہ یہ سب روایات صحیح ہیں۔

کیونکہ ان کو ایک عدل دوسرے عدل سے روایت کرتا ہے۔ اور فریقین میں متداول ہیں جن سے

احتجاج کیا جاتا ہے۔"

لیکن اس تیسری قسم کے متعلق بھی یہ کہنا کہ "صحیحین میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں" صحیح نہیں

ہے۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں رقمطراز ہیں۔

قال شیخ الاسلام فی نکتہ بل فیہما	شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب نکت میں
القلیل من ذالک کعبد اللہ بن	تصریح کی ہے کہ صحیحین میں کچھ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں
ودیعہ وعمر بن محمد بن جبیر بن	جیسے عبداللہ بن ودیعہ، عمر بن محمد بن جبیر بن مطعم اور
مطعم وربیعۃ بن عطاء ص۴۵	ربیعہ بن عطا کی روایات۔

سید امیر یمانی نے بھی توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار میں حاکم کے اس قول کی تردید کی ہے۔[۱]

صحیح متفق علیہ کی چوتھی قسم | فرماتے ہیں۔

"صحیح کی چوتھی قسم وہ احادیث افراد وغرائب ہیں جن کو ثقات عدول نے بیان کیا ہے لیکن

ثقات میں سے ایک شخص اس کی روایت میں متفرد ہے۔ اور کتب حدیث میں وہ حدیث دوسرے

طرق سے مروی نہیں جیسے علاء بن عبدالرحمٰن کی اپنے باپ کے ذریعہ سے حضرت ابوہریرہ سے یہ

روایت اذا انتصف شعبان فلا تصوموا حتی یجیٔ رمضان۔ مسلم نے علاء کی اکثر احادیث

---

[۱] کتاب مذکور ص۲۵ قلمی

کی صحیح میں تخریج کی ہے۔ لیکن اس قسم کی روایات کو اس لئے نہیں بیان کیا کہ علاء اس کے بیان کرنے میں اپنے باپ سے متفرد ہے اسی طرح ایمن بن نابل مکی کی بواسطہ ابوالزبیر حضرت جابر سے یہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بسم اللہ وباللہ فرماتے تھے۔ گو ایمن بن نابل ثقہ ہے اور اس کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن بخاری نے اس حدیث کو اسلئے روایت نہیں کیا کہ ابوالزبیر کا صحیح سند سے کوئی متابع موجود نہیں۔"

"غرض اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں جو سب کی سب صحیح الاسناد ہیں لیکن صحیحین میں ان کی تخریج نہیں کی گئی۔"

یہاں بھی صحیحین میں عدم تخریج کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

بل فیہما کثیر منہ لعلہ یزید علی مائتی حدیث وقد افردھا الحافظ ضیاء الدین المقدسی وھی المعروفۃ بغرائب الصحیح۔ [1]	بلکہ صحیحین میں ایسی حدیثیں بہت ہیں غالباً دو سے بھی زیادہ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ان سب کو علیحدہ جمع کیا ہے یہ غرائب صحیح کے نام سے مشہور ہیں۔

صحیح متفق علیہ کی پانچویں قسم | کے متعلق ارشاد ہے۔

"صحیح کی پانچویں قسم ائمہ کی ایک جماعت کی اپنے آباء واجداد سے روایت کردہ وہ احادیث ہیں جن کی روایت ان کے آباء واجداد سے صرف ان ہی کے ذریعے سے متواتر ہے جیسے عمرو بن شعیب کا وہ صحیفہ جس کو وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح بہز بن حکیم بن معاویہ اور ایاس بن معاویہ بن قرہ کا صحیفہ کہ دادا تو صحابی ہیں اور پوتے ثقات ایسی سب حدیثیں نہایت کثرت سے علماء کی کتابوں میں احتجاج کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص۵۴ و توضیح الافکار قلمی ص۱۴۵

حاکم کا بیان ہے کہ یہ پانچوں اقسام کی احادیث ائمہ کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے احتجاج کیا جاتا ہے اگرچہ (بجز قسم اول کے) ایک حدیث بھی ان میں سے صحیحین میں موجود نہیں ہے۔

ان تینوں صنفوں سے صحیحین میں روایت نہ ہونے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے۔

"صحیحین میں اس قسم کی تخریج سے یہ امر مانع نہ تھا کہ وہ احادیث باپ سے بواسطہ دادا کے منقول ہیں بلکہ اس سبب سے اس روایت کو نہیں بیان کیا کہ وہ راوی یا اس کا باپ شیخین کی شرط پر نہ تھا، ورنہ صحیحین میں یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں علی بن حسین بن علی، محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر، ابی بن عباس بن سہل، اسحق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نیز ان کے بھائی عبداللہ اور حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب وغیرہم سے وہ روایات موجود ہیں جو ان لوگوں نے اپنے دادا سے اپنے باپ کے واسطہ سے بیان کی ہیں" [۱]

صحیح مختلف فیہ کے اقسام

پہلی قسم | فرماتے ہیں۔

"جن احادیث کی صحت میں اختلاف ہے ان کی پہلی قسم احادیث مراسیل ہیں یعنی وہ احادیث جن میں امام تابعی یا تبع تابعی خود قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کے سماع میں جو ایک یا دو واسطے ہیں ان کو ذکر نہ کرے۔

ایسی احادیث ائمہ اہل کوفہ کی ایک جماعت جیسے ابراہیم بن یزید نخعی، حماد بن ابی سلیمان، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم قاضی، محمد بن حسن، اور بعد کے ائمہ کے نزدیک

---

[۱] تدریب الراوی ص ۴۵

صحیح ہیں جن سے یہ جماعت احتجاج کرتی ہے بلکہ بعض ائمہ نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ وہ متصل مسند سے بھی اصح ہے کیونکہ جب تابعی نے جس سے حدیث سنی تھی اسی سے روایت کردی تو روایت کو اسی راوی پر ڈال دیا لیکن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت کہیگا جبکہ اسکی صحت کے معلوم کرنے کی پوری طرح کوشش کرلی ہو۔

فقہاء حجاز میں سے محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مراسیل احادیث واہیہ میں داخل ہیں، جو احتجاج کے قابل نہیں۔ سعید بن المسیب، محمد بن مسلم زہری، مالک بن انس اصبحی، عبدالرحمٰن اوزاعی محمد بن ادریس شافعی، احمد بن حنبل اور بعد کے فقہاء مدینہ کا یہی قول ہے۔"

مرسل کے بارے میں مذاہب ائمہ کی تحقیق

حاکم نے مرسل سے عدم احتجاج کے بارے میں جن بزرگوں کا نام لیا ہے ان میں بجز امام شافعیؒ کے باقی سب ائمہ مرسل کو قابل استناد واحتجاج سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے کسی خاص مرسل کی تضعیف کی ہو اور اس کو ناقابلِ اعتبار بتایا ہو۔ جس سے حاکم نے یہ خیال کرلیا کہ وہ سرے سے حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ورنہ ان بزرگوں سے حدیث مرسل کے ناقابل احتجاج ہونے کے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں بلکہ یہ سب حضرات خود احادیثِ مراسیل روایت کرتے تھے اور ان کو صحیح قرار دیتے تھے۔ امام مالکؒ کے متعلق سابق میں حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی کے بیان میں تصریح گزر چکی ہے کہ موطا میں انھوں نے کثرت سے مرسل حدیثیں بیان کی ہیں اور وہ

---

[1] حاکم کی مراد مشہور حافظ الحدیث امام عیسیٰ بن ابان سے ہے جو فقہاء حنفیہ میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور امام محمدؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ بعد کے فقہاء میں امام فخر الاسلام بزدوی بھی اس بارے میں ان ہی کے ہمخیال ہیں چنانچہ اپنی مشہور کتاب اصول الفقہ میں رقمطراز ہیں۔

واما ارسال القرن الثانی والثالث فھو حجۃ عندنا وھو فوق المسند کذلک ذکرہ عیسیٰ بن ابان۔ (ص ۲ ج ۳)

تابعی یا تبع تابعی کا ارسال ہمارے نزدیک حجت ہے اور وہ مسند پر فوقیت رکھتا ہے۔ عیسیٰ بن ابان کی یہی تصریح ہے۔"

مراسیل کو صحیح اور قابلِ عمل سمجھتے تھے۔ ہاں البتہ امام احمدؒ سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں لیکن مشہور قول یہی ہے کہ احادیث مراسیل ان کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔ قبول مراسیل کے بارے میں کچھ ان ائمہ ہی کی تخصیص نہیں بلکہ سارے صحابہ و تابعین ان کو بالاتفاق حجت مانتے تھے۔ امام ابوداؤد سجستانی، امام ابن جریر طبری نے مرسل کی قبولیت پر علماءِ سلف کا اجماع نقل کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے کسی شخص نے بھی ان کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔

چنانچہ امام ابوداؤد اپنے مشہور رسالہ الی اہل مکہ میں رقمطراز ہیں۔

واما المراسیل فقد کان یحتج بھا العلماء	مراسیل سے سارے اگلے علماء احتجاج کرتے تھے
فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالک	جیسے سفیان ثوری، مالک، اور اوزاعی، یہاں تک
والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیہ و	کہ شافعیؒ آئے اور انھوں نے اس میں کلام کیا اور
تابعہ علی ذلک احمد بن حنبل وغیرہ[۵۱]	احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے اس بارے میں انکی اتباع کی۔

اور امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔

ان التابعین باسرھم اجمعوا علی قبول	تمام تابعین کا مراسیل کے قبول کرنے پر اجماع ہے
المراسیل ولم یات عنھم انکارہ ولا	نہ ان میں سے کسی سے اور نہ دو سو برس تک ان
عن واحد من الائمۃ بعدھم الی	کے بعد کے کسی امام سے مراسیل کا انکار مروی ہے
راس المائتین الذین ھم من القرون	یہ دونوں صدیاں اس مبارک عہد میں داخل ہیں
الفاضلۃ المشھود لھا من الشارع	جن کی برکت کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم بالخیریۃ[۵۲]	نے شہادت دی ہے۔

---

۵۱ توضیح الافکار قلمی ص ۱۹۵۔ ۵۲ تنقیح الانظار قلمی ص ۹۲ تدریب الراوی ص ۶۶ شرح شرح النخبہ بوجیہ العلوی ص ۲۹ وایضاً لعلی القاری ص ۱۲ تنقیح و تدریب میں الی راس المائتین تک منقول ہے الذین ھم من القرون تا اخیر کی دونوں کتابوں سے لیا گیا ہے

حافظ ابن عبد البرؒ نے تصریح کی ہے۔

کان ابن جریر یعنی ان الشافعی اول من ابی قبول المراسیل [۵۱]	غالباً ابن جریرؒ کی مراد شافعیؒ سے ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے مراسیل کے ماننے سے انکار کیا۔

امام شافعیؒ کی رائے یوں تو امام شافعیؒ بھی قطعی طور پر مرسل کو ناقابلِ احتجاج قرار نہ دے سکے تاہم انھوں نے اس کو صحیح تسلیم کرنے کیلئے حسب ذیل شرائط کا اضافہ کیا۔

(۱) وہ یا اس کے ہم معنی دوسری روایت مسنداً موجود ہو۔

(۲) یا دوسرے تابعی کی مرسل اس کے موافق مروی ہو۔

(۳) یا صحابہ کا فتویٰ اس کے مطابق پایا جائے۔

(۴) یا عام علماء اسی مضمون پر فتویٰ دیں۔

پھر اگر راوی سند بیان کرے تو کسی مجہول یا ضعیف کا نام نہ لے اور جب رواۃ حفاظ کے ساتھ شریک روایت ہو تو ان کی مخالفت نہ کرتا ہو۔

اگر ان شرطوں سے روایت خالی ہے تو وہ صحیح نہیں پھر ان کی صحت کے مدارج بھی انکی ترتیب پر ہیں۔ یعنی جس میں پہلی شرط پائی جائے وہ زیادہ قوی پھر علی الترتیب بعد کی تینوں قسم کی مراسیل۔ [۵۲]

امام احمدؒ کا مذہب حافظ ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب تحقیق میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ مرسل حجت ہے اور محدث خطیب بغدادی نے جامع میں امام موصوف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ربما کان المرسل اقوی من المسند [۵۳]	کبھی کبھی مرسل مسند سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔

فضل بن زیاد کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے ابراہیم نخعی کے مراسیل کے متعلق دریافت

---

۵۱ تنقیح الانظار قلمی ص ۹۳ تدریب الراوی ص ۶۷ میں بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے۔

۵۲ اصول الفقہ لمحمد الخضری ص ۲۸۹ طبع مصر۔ ۵۳ ان دونوں حوالوں کیلئے دیکھو شرح نقایہ لملا علی القاری ص ۱ و ص ۲ ج ۱۔

کیا تو انھوں نے فرمایا کہ لا باس بھا (ان میں کوئی خرابی نہیں) [1] سعید بن المسیب کی مراسیل کو امام موصوف نے اصح المراسیل فرمایا ہے۔ [2] مراسیل کو صحیح ماننے کے متعلق امام موصوف کا مذہب اس درجہ مشہور ہے کہ نواب صدیق حسن خاں تک اس کی شہرت سے انکار نہ کر سکے فرماتے ہیں۔

"وابو حنیفہ در طائفہ کہ احمد در قول مشہور از ایشاں است گفتہ کہ صحیح است" منہج الوصول ص

یہ خیال رہے کہ اس بارے میں ابن الجوزی کے بیان کی جو اہمیت ہو سکتی ہے وہ دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ خود حنبلی ہیں۔ وصاحب البیت ادری بما فیہ (اور گھر کا حال کچھ گھر والا ہی زیادہ جانتا ہے)

اہل مدینہ کا عمل حاکم کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ "فقہاء اہلِ مدینہ مرسل کو حجت نہیں گردانتے" حافظ خطیب بغدادی الکفایہ فی علم الروایہ میں لکھتے ہیں۔

قد اختلف العلماء فی وجوب العمل بما هذه حاله فقال بعضهم انه مقبول ویجب العمل به اذا کان المرسل ثقة عدلا وهذا قول مالک واهل المدینة و ابی حنیفة واهل العراق [3]	مرسل کے واجب العمل ہونے میں علماء باہم مختلف ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ مقبول ہے اور اس پر عمل واجب ہے جبکہ ارسال کنندہ ثقہ اور عدل ہو اور یہی قول ہے مالکؒ اور اہلِ مدینہ کا اور ابو حنیفہؒ اور اہلِ عراق کا۔

سلف کے زمانہ میں علم کے دو ہی بڑے مرکز تھے مدینہ اور عراق، سعید بن مسیب اور زہری دونوں اہلِ مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ خطیب کی تصریح کے مطابق سارے اہلِ مدینہ اور اہل عراق حدیث مرسل کو مقبول سمجھتے اور اس پر عمل واجب جانتے تھے۔

---

[1] الکفایہ طبع دائرۃ المعارف ص۳۸۶ [2] ایضاً ص۴۰۴ [3] الکفایہ طبع دائرۃ المعارف ص۳۸۴

مرسل کے ناقابلِ احتجاج ہونے کے دلائل | حاکم نے مرسل سے عدم احتجاج پر یہ آیت پیش کی ہے فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین الآیہ اور استدلال میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

فقرن اللہ تعالیٰ الروایۃ بالسماع من نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ — اللہ تعالیٰ نے روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے سے ملا دیا۔

حاکم کے دعوے اور دلیل میں مطابقت تو دور کی بھی نہیں اور پھر استدلال میں جو الفاظ تحریر کئے ہیں ان سے بھی استدلال تشنہ اور غیر واضح ہی رہتا ہے۔ غالباً منشا یہ ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ میں یہ حکم ہے کہ ہر قوم کے کچھ لوگ سفر کرکے دین میں تفقہ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو خبر دیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر سنے روایت نہیں کرنا چاہئے اور چونکہ مرسل میں سماع مذکور نہیں ہوتا اسلئے وہ حجت نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ امام تابعی یا تبع تابعی جب کوئی حدیث روایت کرتا ہے تو اس کے سماع متصل کو معلوم کرکے ہی تو روایت کرتا ہے نہ کہ کسی شیخ سے اور اس کے سلسلہ سند کو معلوم کئے بغیر بلا تحقیق قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیتا ہے اگر ایسا ہے تو وہ امام تو کجا سراسر وضاع وکذاب ہے۔ حالانکہ مرسل کی تعریف میں خود حاکم نے تصریح کی ہے کہ امام تابعی یا تبع تابعی کے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کو کہتے ہیں نہ کہ کسی غیر ثقہ شخص کے قول کو۔

پھر یہ تین حدیثیں دلیل میں بیان کی ہیں۔

(۱) نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا حتی یودیھا الی من یسمعھا۔ — اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے میرے قول کو سنا اور یاد رکھا یہانتک کہ اس کے سننے والے تک پہنچا دیا۔

(۲) تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم ثم یاتی بعد ذلک قوم سمان — تم سنتے ہو اور تم سے سنا جائیگا اور ان لوگوں سے سنا جائیگا جو سنینگے ان لوگوں سے جو تم سے سنینگے پھر اس کے بعد ایک ایسی قوم آئیگی جو موٹی ہوگی اور موٹاپے

يحبون السمن ويشهدون قبل ان يسئلوا۔ — کو پسند کریں گے وہ لوگ سوال کرنے سے پہلے شہادت دینے لگیں گے۔

(۳) حدثوا عنی کما سمعتم۔ — تم نے جس طرح مجھ سے سنا ہو اسی طرح بیان کرو۔

حاکم نے ان حدیثوں سے وجہ استدلال بیان نہیں کی اور ہماری رائے ناقص میں بھی ان روایات کے مرسل کے صحیح نہ ماننے کا تعلق سمجھ میں نہیں آسکا۔ پہلی اور تیسری حدیث میں الفاظ روایت میں احتیاط تبلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسری حدیث خبر ہے نہ کہ حکم۔ چنانچہ ارشاد نبوی کے مطابق ظہور میں آیا اور احادیث کا دفتر مدون ہو کر تیار ہو گیا۔ مرسل صحیح بھی اسی طرح سماع متصل ہی سے تابعی تک اور تابعی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ سماع کے ذکر کرنے کا ان میں سے کسی روایت میں حکم نہیں کہ اگر سماع روایت میں مذکور نہ ہو تو روایت ناقابلِ قبول ٹھہرے۔ غرض بغیر وجہ استدلال بتائے ہوئے ان احادیث کو روایت کر کے یہ کہہ دینا کہ ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسل احادیث واہی ہیں صحیح نہیں۔

پھر حاکم نے ابو اسحاق طالقانی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

"میں نے ابن مبارک سے پوچھا کہ روایت من صلی علی ابویہ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں دریافت کیا اس کا راوی کون ہے۔ میں نے کہا شہاب بن خراش فرمایا ثقہ ہیں۔ میں نے کہا وہ حجاج بن دینار سے روایت کرتے ہیں، کہنے لگے وہ بھی ثقہ، وہ کس سے بیان کرتے ہیں میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان تو اتنا بڑا جنگل ہے کہ اس میں اونٹنیوں کی گردنیں قطع ہو کر رہ جائیں۔"

اول تو ابن مبارک کا یہ بیان مرسل سے متعلق نہیں بلکہ منقطع سے ہے اور پھر اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کے نزدیک ہر مرسل حدیث حجت نہ ہو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ وہ حجاج کی اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے ورنہ مراسیل کی صحت ان کا مذہب تھا چنانچہ خود حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں حسن بن عیسیٰ سے روایت

کی ہے کہ میں نے ابن مبارک سے ایک حدیث بیان کی جس کی سند یہ تھی عن ابی بکر بن عیاش عن عاصم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے کہا ٹھیک ہے میں نے کہا اس کی عاصم سے آگے سند نہیں فرمانے لگے بھلا عاصم یوں ہی بیان کر سکتے ہیں [۱]

مرسل سے احتجاج کے دلائل۔ علامہ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے تنقیح الانظار میں جو اصول حدیث پر ان کی بیش بہا کتاب ہے مرسل کے قابل قبول ہونے پر تین دلیلیں دی ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) اجماع صحابہ و تابعین۔ صحابہ میں عام طور پر حدیث مرسل کی روایت شائع وذائع تھی وہ برابر اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ ان میں سے کسی نے اس کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔ حضرت براء بن عازب نے صحابہؓ کے ایک مجمع میں بیان کیا کہ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں وہ سب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں سنا لیکن ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ تابعین کا اجماع ابن جریر کے بیان سابق میں گزر چکا۔

(۲) خبر واحد کے واجب العمل ہونے کے متعلق جتنے دلائل ہیں، ان میں مسند اور مرسل کی کوئی تفریق نہیں

(۳) ثقہ جب جزم اور یقین کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور یہ جانتے ہوئے کہے کہ اس کا راوی مجروح العدالت ہے تو اس نے خیانت کی جو کسی ثقہ سے نہیں ہو سکتی اسی بنا پر محدثین بخاری کی ان تمام تعلیقات کو قبول کرتے ہیں جنکو انھوں نے جزم کے الفاظ میں بیان کیا ہے [۲]

مرسل کی چار قسمیں ائمہ اصول نے مرسل کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) مراسیل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

(۲) مراسیل قرن ثانی و ثالث یعنی امام تابعی یا تبع تابعی کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا۔ عام طور پر محدثین کے نزدیک اسی دوسری قسم پر مرسل کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۳) ہر عہد کے ثقہ راوی کی مرسل۔ اس کو محدثین کی اصطلاح میں معضل کہتے ہیں۔

---

[۱] تنقیح الانظار قلمی صـ۹۲ و صـ۹۳ [۲] معرفۃ علوم الحدیث صـ۲۶ طبع مصر۔

(۴) وہ حدیث جو ایک طریقہ سے مرسل مروی ہے اور دوسرے سے مسند۔ [۱]

پہلی قسم بالاتفاق مقبول ہے اور اس بارے میں کسی مخالف کا اعتبار نہیں۔ دوسری قسم تمام ائمہ سلف کے نزدیک مقبول اور واجب العمل تھی رسب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور اس کے قبول کرنے کیلئے کچھ نئی شرطیں لگائیں۔ بعد میں محدثین کی ایک جماعت نے اس بارے میں ان سے اتفاق رائے کیا اور بعض نے سرے سے ان کو ناقابل قبول قرار دیا۔

مراسیل تابعین کے نہ ماننے کی عقلی دلیل حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں لکھا ہے کہ

"جہالت راوی کے سبب مرسل قسم مردود میں داخل ہے کیونکہ جب تابعی نے راوی کا نام نہیں بیان کیا تو ممکن ہے کہ وہ راوی صحابی ہو اور ممکن ہے کہ تابعی۔ اخیر صورت میں وہ ضعیف بھی ہو سکتا ہے اور ثقہ بھی۔ ثقہ ہونے کی شکل میں پھر وہی پہلا احتمال باقی ہے جس کا سلسلہ عقلاً تو غیر متناہی ہے تاہم تتبع اور تلاش سے پتہ چلا ہے کہ یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ چھ یا سات اشخاص پر جاکر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ تابعین کی روایات میں پایا نہیں گیا۔" [۲]

اس دلیل کا ابطال یہ ہے وہ دلیل جس کو حافظ صاحب موصوف نے بڑے زور کے ساتھ پیش کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ احتمالات صحابہ کی مراسیل میں پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس اصول پر تو حدیث و سنت کا بیشتر حصہ ناقابل عمل ہو کر رہ جائیگا کیونکہ جب تک صحابی کا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت میں سماع مذکور نہ ہو گا روایت قابل قبول نہیں ہو گی۔

صحابہ کی ایک جماعت کثیر نے تابعین سے احادیث روایت کی ہیں۔ محدثین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر جو کتاب تصنیف کی ہے اس کا نام ہے "روایۃ الصحابۃ عن التابعین" حافظ زین الدین عراقی کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء اس کو نہیں مانتے کہ

---

[۱] اصول بزدوی ص ۲۴ ۔ [۲] شرح نخبہ ص ۱۱۱ طبع مصر۔

کسی صحابی نے کسی تابعی سے کوئی روایت بیان کی ہے تو انھوں نے بیس حدیثیں التقیید والایضاح میں ایسی بیان کیں جن کو صحابہ نے تابعین سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں سہل بن سعد، سائب بن یزید، جابر بن عبداللہ، عمرو بن حارث مصطلقی، یعلی بن امیہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، سلیمان بن صرد، ابوہریرہ، انس، ابوامامہ، ابوالطفیل [۵۲]

اب سوال یہ ہے کہ وہ عقلی احتمال جہالت راوی کا جو حافظ صاحب نے تابعین کی احادیث میں بیان کیا تھا وہ یہاں بھی موجود ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ تابعین کی مراسیل میں وسائط زیادہ ہونگے اور یہاں کم۔ مگر یہ احتمال بالکلیہ مرتفع نہیں ہو سکتا۔

غور کیجئے جب ان ائمہ تابعین کی روایات میں جن پر روایت وفتوی کا دارومدار تھا جو جرح ونقد کے امام تھے جن کی ساری عمر احادیثِ نبویہ کی تحقیق وتلاش میں بسر ہوئی، جو فیضانِ نبوت سے بیک واسطہ مستنیر ہوئے جنھوں نے صحابہ کی آنکھیں دیکھیں اور مدتوں شرفِ ملازمت سے بہرہ اندوز رہے جن کو صیرفی فی الحدیث[۱۵] کہا گیا۔ جن کے متعلق ائمہ حفاظ نے تصریح کی ہے کہ جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو ہمیں اس کی اصل ملجاتی ہے[۵۳]۔ جن سے جب اسناد کا مطالبہ ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ جب ہم

---

[۱۵] "حدیث میں صراف" یہ امام اعمش نے حضرت ابراہیم نخعی کے متعلق کہا ہے دیکھو تذکرۃ الحفاظ ص ۶۹ ج ۱

[۵۲] التقیید والایضاح از ص ۵۹ تا ص ۶۳۔

[۵۳] امام ترمذی کتاب العلل میں فرماتے ہیں۔

حدثنا عبداللہ بن سوار العنبری قال سمعت یحیی بن سعید القطان یقول ما قال الحسن فی حدیثہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وجدنا لہ اصلا الا حدیثا او حدیثین۔ ص ۲۳۹ ج ۲	یحیی بن سعید قطان کا بیان ہے کہ بجز ایک یا دو حدیثوں کے حسن نے جب بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو ہم کو اس کی اصل مل گئی۔

سند بیان کرتے ہیں تو ہمارے پاس صرف وہی اسناد ہوتی ہے لیکن جب ہم بغیر سند ذکر کئے روایت بیان کرتے ہیں تو ہم اس کو ایک جماعتِ کثیر سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی کتاب العلل میں رقمطراز ہیں۔

عن سلیمان الاعمش قال قلت	سلیمان اعمش کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم نخعی سے کہا
لابراهیم النخعی سندلی عن عبد الله	کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کی مجھ سے سند بیان کرو، تو
بن مسعود فقال ابراهیم اذا	ابراہیم نے کہا کہ جب عبداللہ کی حدیث کی سند میں تم سے
حدثتکم عن عبد الله فهو الذی	بیان کرتا ہوں تو وہی میرا سماع ہوتا ہے لیکن جب قال
سمعت واذا قلت قال عبد الله	عبداللہ کہتا ہوں تو وہ عبداللہ سے بہت سے رواۃ
فهو عن غیر واحد عن عبد الله ص۲۳۹ ج۲	کے ذریعہ مروی ہوتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت حسن بصری سے کسی نے کہا کہ جب آپ ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کرتے ہیں اگر اس کی سند بھی بیان فرما دیا کریں تو کیا اچھا ہو۔ جواب دیا اے شخص نہ ہم نے جھوٹ بولا نہ بولیں گے۔ خراساں کی جنگ میں ہمارے ساتھ تین سو صحابہ تھے کس کس کے نام بتائیں، ۱؎

غرض جب امام ابراہیم نخعی اور حضرت حسن بصری جیسے جلیل المرتبت تابعین کی مراسیل میں جہالت راوی کی احتمال آفرینی چل سکتی ہے تو آخر صحابہؓ کی مراسیل میں کیوں نہیں چل سکتی خصوصاً ان صحابہؓ کی روایات میں جن کے متعلق بالیقین معلوم ہے کہ وہ تابعین سے روایت کرتے تھے۔

> جو شخص ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال کرے اس کی مرسل بالاتفاق مقبول نہیں

پھر ائمہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جو شخص ثقات اور غیر ثقات دونوں سے ارسال کرے اس کی روایات بالاتفاق مقبول نہیں۔ خود حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

۱؎ تدریب الراوی ص۱۶۷۔

ونقل ابوبکر الرازی من الحنفیۃ وابی — حنفیہ میں سے ابوبکر رازی اور مالکیہ میں سے ابوالولید

الولید الباجی من المالکیۃ ان الراوی — باجی نے تصریح کی ہے کہ راوی جب ثقات اور

اذا کان یرسل عن الثقات وغیرھم — غیر ثقات دونوں سے ارسال کرے تو اس کی

لا یقبل مرسلہ اتفاقا [۲] — مرسل بالاتفاق مقبول نہیں۔

غور فرمائیے جب یہ بالاتفاق مسلم ہے کہ اس شخص کی مراسیل جو ضعفاء سے ارسال کرے قابل قبول نہیں تو پھر حافظ صاحب کے اس احتمال کی گنجائش ہی کہاں ہے۔

تعلیقات بخاری اور مراسیل تابعین — پھر یہ بھی خیال رہے کہ محدثین ایک طرف بخاری کی ان تعلیقات تک کو جن کو وہ بالجزم بیان کریں جن میں راوی اور مروی عنہ تک ایک جگہ نہیں متعدد جگہوں پر بقول ابن مبارک مفازۃ تنقطع فیہا اعناق الابل موجود ہوتا ہے صحیح سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کبار ائمہ تابعین کے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے پر بھی اعتبار نہیں جن کی فضیلت پر آیت وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ شاہد ہے۔ کیا امام ابراہیم نخعی، امام حسن بصری، کا جزم امام بخاری کے جزم سے بھی نیچے درجہ کا ہے؟ کیا ان ائمہ کی مراسیل صحت میں تعلیقات بخاری سے بھی کم ہیں؟۔

مرسل کے بارے میں امام ابوداؤد کا فیصلہ — یہی وجہ ہے کہ امام ابوداؤد سجستانی صاحب السنن نے اپنی مشہور تصنیف رسالہ الی اہل مکہ میں عام محدثین کے خلاف صاف طور پر فیصلہ صادر فرمادیا۔

فاذا لم یکن مسند غیر المراسیل ولم یوجد — جب مراسیل ہی ہوں اور مسند نہ ہو تو مرسل

المسند فالمرسل یحتج بہ [۱] — سے احتجاج کیا جائیگا۔

مرسل کی تیسری قسم یعنی زمانہ تابعین وتبع تابعین کے بعد کے فقہاء یا محدثین کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جسے محدثین کی اصطلاح میں معلق یا معضل کہتے ہیں۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ

---

[۱] مقدمہ سنن ابی داؤد ص۱ . [۲] شرح نخبۃ الفکر ص۱۳ طبع مصر۔

ابن صلاح سے ناقل ہیں۔

ان وقع الحذف فی کتاب التزمت صحتہ کالبخاری فما اتی فیہ بالجزم دل علی انہ ثبت اسنادہ عندہ وانما حذف لغرض من الاغراض۔ ؎۲	اگر حذف اسناد ایسی کتاب میں واقع ہو جس میں صحت کا التزام ہے جیسے بخاری تو جو روایات انھوں نے اس میں بصیغہ جزم بیان کی ہیں وہ اس بات کو بتلاتی ہیں کہ اس کی اسناد مصنف کے نزدیک ثابت ہے اور اسے کسی وجہ سے ذکر نہیں کیا ہے۔

ائمہ حنفیہ میں سے امام عیسی بن ابان نے اس تیسری قسم کے متعلق تصریح کی ہے کہ صرف ان ائمہ نقل و روایت ہی کے مراسیل قبول کئے جائیں گے جو علم و روایت میں مشہور ہوں گے جن سے علم کے حاصل کرنے کا لوگوں میں شہرہ ہو گا۔ ؎۳

اس عہد میں بے سند حدیث بیان کرنیکا حکم — علامہ عبد العزیز بخاری نے کشف الاسرار شرح اصول بزودی میں جو اصولِ فقہ کی بےنظیر کتاب ہے تصریح کی ہے کہ

"ہمارے زمانے میں جب کوئی شخص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے تو اگر وہ روایت احادیث میں معروف ہو گی تو قبول کی جائیگی ورنہ نہیں یہ اسلئے نہیں کہ وہ مرسل ہے بلکہ اس سبب سے کہ اب احادیث منضبط اور مدون ہو گئی ہیں لہذا ہمارے زمانہ میں جس حدیث کی معرفت سے علماء حدیث انکار کریں وہ کذب ہے ہاں اگر یہ زمانہ وہ ہوتا جب سنن کی تدوین نہیں ہوئی تھی تو قبول کیجا سکتی تھی۔" ؎۱

چوتھی قسم کے متعلق مفصل بحث حاکم کی تیسری قسم کے بیان میں آگے آتی ہے۔

پرستارانِ اسناد کی خدمت میں اتنا عرض کرنا اور ضروری ہے کہ ہماری بحث اس ارسال سے متعلق ہے جس کی جب سند بیان کی جائے قابل قبول ہو نیز ایسے شخص کے ارسال سے ہے جس کے متعلق کذب و دروغ

؎۱ کشف الاسرار ج ۳ ص ۶ ؎۲ شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۰ و ص ۱۰۱۔ ؎۳ کشف الاسرار ص ۳ ج ۳

بیانی کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا ایسا شخص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اسی وقت زبان سے نکال سکتا ہے جبکہ اس نے سند کی چھان بین کر لی ہو اور حدیث کی صحت کا یقین حاصل کر چکا ہو ورنہ ظاہر ہے جو شخص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے میں احتیاط نہیں کرتا وہ حدثنی فلان کہنے میں کیا خاک احتیاط کریگا ایسے شخص کی مسند تو بدرجہ اولی ناقابل قبول ہوگی۔ غور فرمائیے جو شخص رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے متعلق دروغ بیانی میں باک نہیں کرتا اسے اپنے شیوخ و اساتذہ کے متعلق اس قسم کی کیوں جرأت نہیں ہو سکتی۔ منکرین مراسیل کا بھی عجیب حال ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ بیان کیا جائے تو ناقابل قبول اور جب غیر کے متعلق بیان کیا گیا تو واجب التسلیم ایک ہی راوی کی مسند تو صحیح مگر مرسل ناقابل احتجاج ع هذا العمری فی القیاس بدیع

امام فخر الاسلام نے سچ فرمایا ہے۔

فعمدا صحاب ظاہر الحدیث   ارباب ظواہر نے دونوں روایتوں میں سے جو زیادہ

فردوا اقوی الامرین [۵۱]   قوی تھی اس کو ہی چھوڑ دیا۔

انکار مرسل کے اصول پر سنت کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے

امام ابو داؤد سجستانی اور امام ابن جریر طبری کا بیان سابق میں آپ کی نظر سے گزر چکا جس سے واضح ہے کہ مراسیل کی قبولیت سے انکار سلف کے تعامل و توارث کے بالکل برخلاف ہے اور نہ صرف اتنا بلکہ بقول امام بزدوی

وفیہ تعطیل کثیر من السنن [۵۲]   اس طرح پر بہت سی سنن معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔

حافظ دار قطنی اور بیہقی نے مذہب محدثین و شافعیہ کی نصرت میں جو خدمات انجام دی ہیں بیان سے باہر ہیں۔ امام الحرمین کا قول ہے کہ "کوئی شافعی ایسا نہیں جس کی گردن پر امام شافعی کا احسان نہ ہو بجز بیہقی کے کہ انہوں نے جس طرح امام شافعیؒ کے اقوال اور ان کے مذہب کی تائید میں خدمات انجام دی ہیں اس سے خود امام شافعیؒ پر ان کا احسان ہے"۔ [۵۳]

---

[۵۱] و [۵۲] اصول بزدوی ص ۲ ج ۳ ۔ [۵۳] طبقات الشافعیۃ الکبری للسبکی ص ۲ ج ۳ طبع مصر۔

ان دونوں بزرگوں کی یہ کیفیت ہے کہ سند پر سنداور روایت پر روایت ذکر کرتے چلے جاتے ہیں جس کی تضعیف کی ان کے پاس بجز اس کے کوئی اور صورت نہیں ہوتی کہ اس کو یا مرسل کہدیں یا موقوف۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ منکرین مراسیل کو اصحاب الحدیث کہا جائے اور جو حدیث مرسل تک کو واجب العمل قرار دیں ان کو اہل الرائے۔

جنوں کا نام خرد رکھدیا خرد کا جنوں ۔۔۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

صحیح مختلف فیہ کی دوسری قسم | فرماتے ہیں۔

"حدیث صحیح کی دوسری قسم جس کی صحت میں اختلاف ہے مدلسین کی وہ روایات ہیں جن کی روایت میں وہ اپنا سماع بیان نہیں کرتے ایسی سب روایات ان ائمہ اہل مدینہ کے نزدیک جن کا سابق میں ہم ذکر کر چکے ہیں صحیح ہیں۔

تدلیس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً سفیان بن عیینہ جو ائمہ اہل مکہ میں شمار کئے جاتے ہیں یوں روایت کریں۔

قال الزھری حدثنی سعید بن المسیب ۔۔۔ زہری نے کہا کہ سعید بن المسیب نے مجھ سے بیان کیا۔

یا اس طرح کہیں

قال عمرو بن دینار سمعت جابراً ۔۔۔ عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے جابر سے سنا۔

سفیان بن عیینہ کا سماع زہری اور عمرو بن دینار دونوں سے مشہور ہے لیکن اس جگہ مذکور نہیں اور ان کے متعلق یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جب کسی روایت میں ان کا سماع فوت ہو جاتا ہے تو وہ تدلیس سے کام لیتے ہیں علی بن خشرم کا بیان ہے کہ میں سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں حاضر تھا انھوں نے قال الزھری کہکر حدیث شروع کی۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ کیا آپ کے سامنے زہری نے حدیث بیان کی تھی تو وہ خاموش ہو رہے اور پھر قال الزھری کہہ کر آگے چلنے لگے پھر ان سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے زہری سے یہ روایت سنی ہے۔ کہنے لگے نہ تو یہ روایت خود میں نے زہری سے سنی اور نہ کسی اس شخص سے جس نے اس کو زہری سے بلا واسطہ سنا ہو مجھ سے تو عبد الرزاق نے معمر کے حوالے سے زہری سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اسی طرح قتادہ بن دعامہ جو اہلِ بصرہ کے امام ہیں. انس اور حسن سے تدلیس میں مشہور ہیں شعبہ کہتے ہیں

میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا جیسے ہی حدثنا کا لفظ انکی زبان سے نکلتا فوراً لکھ لیتا ورنہ نہیں۔

اہلِ کوفہ میں سے بعض نے تدلیس کی ہے بعض نے نہیں تاہم اکثر اس میں مبتلا تھے جن میں حماد بن

ابی سلیمان اور اسمعیل بن ابی خالد وغیرہ داخل ہیں البتہ طبقہ ثانیہ کے لوگ جیسے ابو اسامہ حماد بن اسامہ

اور ابو معاویہ محمد بن خازم ضریر وغیرہ تو ان میں سے اکثر نے تدلیس نہیں کی۔

ابو عبیدہ بن ابی سفیان کا بیان ہے کہ ہم ابو سلمہ کے پاس موجود تھے ان کی زبان سے قال

یحیی بن سعید نکلا ایک شخص نے ان سے کہا حدیث بیان کیجئے فرمانے لگے کیا تمہارا یہ خیال ہے

کہ میں تمہارے ساتھ تدلیس سے کام لیتا ہوں خدا کی قسم اگر اس مجلسِ درس سے مجھے معاف رکھا

جائے تو وہ مجھے ایک لاکھ حدیث سے زیادہ محبوب ہے پھر یہ سند پڑھ دی حدثنی یحیی بن سعید بن

قیس الانصاری عن سعید بن المسیب بن حزن القرشی۔

مدلسین کے واقعات بہت ہیں ائمہ نے ان کی وہ روایات جن میں انھوں نے تدلیس سے

کام لیا منضبط کی ہیں اور احادیث میں جہاں انھوں نے تدلیس نہیں کی ظاہر ہے؟

حاکم نے حماد بن ابی سلیمان کو تو مدلس کہا مگر ابو اسامہ اور ابو معاویہ ضریر سے تدلیس کی نفی کی ہے حالانکہ

ایسا نہیں بلاشبہ حماد کے متعلق امام شافعی کا دعوی ہے کہ انھوں نے اپنے مشہور استاد ابراہیم نخعی سے ایک

روایت کے بیان کرتے وقت عن ابراھیم کہا جس کو انھوں نے ابراہیم سے براہ راست نہیں سنا تھا بلکہ مغیرہ

کے توسط سے وہ اسے ابراہیم سے روایت کرتے تھے. لیکن ابو اسامہ اور ابو معاویہ دونوں کے متعلق ائمہ

فن کی تصریح موجود ہے کہ وہ مدلس تھے ابو اسامہ کے متعلق ابن سعد کے الفاظ ہیں۔

کان کثیر الحدیث ویدلس ویبین تدلیسہ[۱] وہ کثیر الحدیث تھے اور مدلس، اپنی تدلیس کو بیان کردیتے تھے

---

۱ تہذیب التہذیب ص۳ ج۳ طبع دائرۃ المعارف وطبقات المدلسین ص۹ طبع مصر۔

اسی طرح معیطی نے بھی ان کو کثیر التدلیس کہا ہے اور تصریح کی ہے کہ بعد میں انھوں نے یہ عادت چھوڑ دی تھی[۱]، ابو معاویہ کے متعلق یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے ربما دلس[۲] (اکثر تدلیس سے کام لیتے ہیں) ابن سعد اور دارقطنی نے بھی ان کے مدلس ہونے کی صراحت کی ہے۔[۳]

حاکم نے جس تدلیس کا ذکر کیا ہے اسے اصطلاحِ محدثین میں تدلیس اسناد کہتے ہیں۔ محدث خطیب بغدادی نے کفایہ میں اس کے بارے میں چار اقوال نقل کئے ہیں۔

(۱) فقہا اور محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک ایسے مدلس کی روایات سرے سے مقبول نہیں۔

(۲) اکثر اہلِ علم کے نزدیک اس قسم کی روایات مطلقاً قابلِ قبول ہیں۔

(۳) بعض علما کے نزدیک جب مدلس نے اس سے تدلیس کی جس سے سنا بھی نہیں اور ملاقات بھی نہیں ہوئی تو اگر یہ تدلیس اس کی روایات پر غالب ہے تو قابلِ قبول نہیں لیکن اگر لقا اور سماع تو اس سے حاصل تھا مگر وہ روایات اس سے نہیں سنی تھی جس میں تدلیس سے کام لیا تو وہ روایات مقبول ہونگی بشرطیکہ جس سے وہ روایت کی جائے وہ ثقہ ہو۔

(۴) اگر روایت میں سماع کے الفاظ موجود ہیں تو مقبول ہے ورنہ مردود۔ خطیب اس قول کو بیان کرکے کہتے ہیں۔

وھذا ھو الصحیح عندنا[۴]	اور یہی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔

والی ھذا ذھب الاکثرون وممن رواہ عن	اسی طرف بیشتر لوگ گئے ہیں ہمارے شیخ ابوسعید
جمھور ائمۃ الحدیث والفقہ والاصول شیخنا	علائی نے کتاب المراسیل میں اس کو جمہور ائمہ

---

[۱] میزان الاعتدال للذہبی ص۲۶۷ ج ۱ و طبقات المدلسین لابن حجر العسقلانی ص۲۔ [۲] میزان الاعتدال ص۳۸۲ ج ۱۔
[۳] ابن سعد کا قول تہذیب التہذیب ص۱۳۹ ج ۹۔ اور دارقطنی کا بیان طبقات المدلسین ص۱۱ میں مذکور ہے۔ [۴] کفایہ ص۳۶۱۔

ابوسعید العلائی فی کتاب المراسیل وھو قول الشافعی وعلی بن المدینی ویحیی بن معین وغیرھم [1]

حدیث وفقہ واصول سے بیان کیا ہے شافعی علی ابن مدینی، یحیی بن معین وغیرہ کا یہی قول ہے۔

صحیحین میں مدلسین کی روایت | صحیحین میں اس قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ شیخ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

وفی الصحیحین وغیرھما من الکتب المعتمدۃ من حدیث ھذا الضرب کثیر جدا کقتادۃ والاعمش وھشیم بن بشیر وغیرھم لان التدلیس لیس کذبا وانما ھو ضرب من الایھام بلفظ محتمل [2]

صحیحین اور دیگر مستند کتابوں میں اس قسم کی روایات بکثرت ہیں جیسے قتادہ، اعمش اور ہشیم بن بشیر وغیرہ کی روایات کیونکہ تدلیس کذب میں داخل نہیں بلکہ محتمل الفاظ میں ایک قسم کا ابہام ہے۔

صحیح مختلف فیہ کی تیسری قسم | فرماتے ہیں

"صحیح مختلف فیہ کی تیسری قسم وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ کسی امام سے مسنداً روایت کرے اور ثقات کی ایک جماعت اس کو مرسلاً بیان کرے"

ایسی احادیث فقہاء کے مذہب پر صحیح ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جب ثقہ اور معتبر راوی اسناد میں زیادہ بیان کرے تو اسی کے قول کا اعتبار ہے لیکن ائمہ حدیث کے نزدیک ان سب لوگوں کا قول ہی معتبر ہوگا جنہوں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے کیونکہ ایک شخص کے متعلق وہم کا ڈر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا اور دو سے دور ہی رہتا ہے۔"

سابق میں بحث مرسل میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ مراسیل احادیث صحیحہ میں داخل ہیں، اور واجب العمل ہیں سلف صالحین اور امت کی اکثریت اس سے احتجاج کی قائل ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک تو ایسی روایت بدرجہ اولی صحیح ہے۔ اور جب سلف میں ارسال حدیث کا دستور بلانکیر شائع وذائع تھا تو پھر ایسی حدیث کو صحیح نہ سمجھنا کیا معنی اور ایسی صورت میں مرسل بیان کرنے والوں اور مسند روایت کرنے والوں میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ اس صورت میں اختلاف فرض کیا گیا۔ شیخ نے ایک دفعہ مرسل بیان کی تلامذہ نے ویسے ہی روایت کردی۔ پھر کسی شاگرد نے اسناد پوچھی اس نے مسنداً بیان کردی یا بلا سوال ہی کسی شاگرد کو حدیث کی اسناد بھی بیان کردی اس نے

[1] تنقیح الانظار قلمی ص۱۱۔ [2] مقدمہ ابن صلاح ص۸۲ طبع حلب۔

غور فرمائیے ان دونوں کے بیانات میں تعارض کونسا لازم آیا شیخ کو کیا خبر تھی کہ آنے والے زمانے میں لوگ حدیث مرسل کو صحیح ماننے ہی سے انکار کر دینگے اول تو حدیث مرسل خود ہی حجت ہے پھر مزید یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہے مگر اب بھی اصحاب حدیث اسے صحیح نہ مانیں تو اسے کیا کہیے۔

طرفہ یہ کہ یہی حدیث اگر مرسلاً موجود نہ ہوتی اور بالکل اسی اسناد سے مسنداً روایت کی جاتی تو یہی ائمہ حدیث اسے صحیح سمجھتے اور اس پر عمل ضروری خیال کرتے مگر اب جبکہ وہ مرسلاً موجود ہے تو سرے سے ناقابل قبول۔ دارقطنی اور بیہقی وغیرہ محدثین کے پاس احناف کی احادیث کا بس ایک یہی جواب ہوتا ہے کہ فلاں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے اور فلاں نے مسنداً اور چونکہ اس میں ارسال ہے اس لیے ضعیف ہے۔ غرض ارسال کا شائبہ بھی بُرا ہے۔

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں — اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا ہی چھوڑ دے

بلاشبہ اکثر اصحابِ حدیث کا یہی خیال ہے جس کو حاکم نے بیان کیا تاہم محققین محدثین کا فیصلہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

واما اذا رواه بعض الثقات	اور جبکہ بعض ثقات ضابطین متصل روایت
الضابطين متصلا وبعضهم مرسلا	کریں اور بعض مرسلاً یا بعض موقوفاً بیان کریں
او بعضهم موقوفا وبعضهم مرفوعا	اور بعض مرفوعاً یا خود ہی ایک وقت مسنداً یا
او وصله هو اورفعه في وقت و	مرفوعاً روایت کرے اور دوسرے وقت مرسلاً
ارسله او وقفه في وقت فالصحيح	یا موقوفاً پس وہ صحیح قول جو کہ محققین محدثین
الذي قاله المحققون من المحدثين	کا ہے اور فقہاء اور ارباب اصول جس کے
وقاله الفقهاء واصحاب الاصول	قائل ہیں اور خطیب بغدادی نے جس کی
وصححه الخطيب البغدادي ان الحكم	تصحیح کی ہے یہ ہے کہ فیصلہ اسی کے حق

لمن وصلہ او رفعہ سواء کان المخالف لہ مثلہ او اکثر او احفظ لانہ زیادۃ ثقۃ وھی مقبولۃ[1] — یہی ہوگا جس نے اس کو مسنداً یا مرفوعاً روایت کیا ہے خواہ اس کی مخالفت کرنے والا اسی جیسا ہو یا اس سے تعداد میں زیادہ یا اس سے بڑا حافظ ہو کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

رہی وہ حدیث جو حاکم نے اس سلسلہ میں استدلال کے طور پر پیش کی ہے کہ الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد۔ کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے بہت دور رہتا ہے۔

تو اس کے بارے میں امام ابو یوسف کا وہ جملہ یاد آتا ہے جو انہوں نے اپنی بے نظیر کتاب الرد علی سیر الاوزاعی میں تحریر فرمایا ہے کہ

ولحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معان ووجوہ وتفسیر لا یفہمہ ولا یبصرہ الا من اعانہ اللہ تعالیٰ علیہ[2] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے کچھ معنے کچھ توجیہیں اور کچھ تفسیریں ہوتی ہیں جن کو بجز اس کے کہ جس کی اللہ تعالیٰ اعانت فرمائے اور کوئی نہ سمجھ سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔

اگر حدیث کے وہی معنے ہیں جو حاکم نے لیے ہیں تو اس اصول پر تو کسی تنہا شخص کی کوئی روایت صحیح نہیں ہو سکتی وھل ھی الا ثلمۃ تہدم الاسلام۔

صحیحین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں — پھر یہ بھی خیال رہے کہ خود صحیحین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن

---

[1] مقدمہ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲ طبع مصر [2] الرد علی سیر الاوزاعی طبع مصر ص ۱۸، یہ کتاب مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

کے وصل وارسال میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ امیر یمانی حافظ ابن حجر سے ناقل ہیں۔

واما ما اختلف فی وصلہ وارسالہ ففی الصحیحین منہ جملۃ وقد تعقب الدارقطنی بعضہ فی التتبع[1]

ایسی حدیثیں جن کے وصل وارسال میں اختلاف ہے ان کا ایک حصہ صحیحین میں منقول ہے چنانچہ دارقطنی نے کتاب "التتبع" میں ان سے بعض روایات پر گرفت کی ہے

اپنے بیان کے خلاف خود حاکم کا عمل | یہ بھی واضح رہے کہ خود حاکم نے اپنے اس اصول کی مستدرک میں سختی سے مخالفت کی ہے چنانچہ جابجا اس کے برخلاف اس میں تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً حدیث ابن عباس اذا اصابہا فی الدم فدینار واذا اصابہا فی انقطاع الدم فنصف دینار پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قد ارسل ھذا الحدیث واوقف ایضا ونحن علی اصلنا الذی اصلناہ ان القول قول الذی یسند ویصل اذا کان ثقۃ[2]

یہ حدیث مرسل بھی روایت کی گئی ہے اور موقوف بھی مگر ہم اپنے اسی اصول پر ہیں جو ہم نے قائم کیا ہے کہ اسی کی بات مانی جائیگی جو مسنداً اور متصلاً روایت بیان کرے بشرطیکہ وہ ثقہ ہو۔

اسی طرح کتاب الایمان میں مصعب بن زہیر کی حدیث اور کتاب العلم میں "لا تعلموا العلم لتباھوا بہ العلماء" الحدیث[3] کے ذیل میں اسی قسم کی تصریح موجود ہے۔

صحیح مختلف فیہ کی چوتھی قسم | کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔

"صحیح مختلف فیہ کی چوتھی قسم محدث کی وہ روایات ہیں جن کا وہ نہ عارف ہے نہ حافظ جیسا کہ ہمارے زمانے کے بیشتر محدثین کا حال ہے۔ حدیث کی یہ قسم اکثر محدثین کے نزدیک قابل احتجاج ہے لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اس کو حجت نہیں سمجھتے امام ابو حنیفہ کی روایت اس بارے

---

[1] توضیح الافکار قلمی ص ۵۵ [2] دیکھو مستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۱۷۲ [3] ایضاً ج اص ۴۹ [4] ایضاً ج اص ۸۶

میں درج ذیل ہے۔

حدثنا ابو احمد محمد بن احمد بن شعیب العدل ثنا اسد بن نوح الفقیہ ثنا ابو عبد اللہ محمد بن مسلمۃ عن بشر بن الولید عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ انہ قال لا یحل للرجل ان یروی الحدیث الا اذا سمعہ من فم المحدث فیحفظہ ثم یحدث بہ	امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ سے راوی ہیں کہ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث بیان کرنا روا نہیں جب تک کہ محدث کے منہ سے سن کر اُسے یاد نہ کرلے اور بیان کرتے وقت تک اسے حفظ نہ رکھے۔

اور امام مالک کے متعلق معن بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے اُن کو فرماتے ہوئے سُنا اس شخص سے علم نہ لیا جاوے جو اپنی بیان کردہ حدیثوں کا عالم نہ ہو۔ امام موصوف کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں بہت سے ارباب صلاح کو پایا لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی حدیث کا ایک حرف بیان نہیں کرتا۔ سوال کیا گیا اے ابو عبد اللہ (یہ امام مالک کی کنیت ہے) ایسا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ وہ جو حدیثیں بیان کرتے تھے اُن کو سمجھتے نہ تھے۔

حافظ سیوطی تدریب الراوی میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب نقل کرکے لکھتے ہیں۔

وھذا مذھب شدید وقد استقر العمل علی خلافہ فلعل الرواۃ فی الصحیحین	یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ غالباً صحیحین کے ان رواۃ

ؔ ایک مرتبہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین نے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) امام صاحب کی توثیق کرتے ہوئے آپ کی اسی خصوصیت کو واضح کیا ہے چنانچہ حافظ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں بسند متصل ان سے ناقل ہیں۔

کان ابو حنیفہ ثقۃ لا یحدث الا بما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ (تاریخ بغداد ص ۴۱۹ ج ۱۳ طبع مصر)	امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی، بیان نہیں کرتے۔

ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف[1] | کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی۔

صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم | کے متعلق ارشاد ہے۔

"صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور اصحاب الاہواء کی روایات ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راستباز ہوں۔ چنانچہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوب رواجنی سے حدیث بیان کی ہے اور ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کہتے تھے۔

حدثنا الصدوق فی روایتہ المتھم فی دینہ عباد بن یعقوب | ہم سے عباد بن یعقوب نے حدیث بیان کی جو اپنی روایت میں سچا اور دین میں متہم تھا۔

اسی طرح بخاری نے صحیح میں محمد بن زیاد الہانی، حریز بن عثمان رحبی سے احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم دونوں ابومعاویہ محمد بن حازم، اور عبیداللہ بن موسیٰ سے احتجاج پر متفق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے

لیکن مالک بن انس یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائیگی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو اور نہ اُس شخص سے جو لوگوں سے گفتگو میں دروغ بیانی سے کام لے، اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دروغ گوئی کا الزام نہ ہو"

احادیث صحیحہ کا انحصار صرف صحیحین ہی پر نہیں | حدیث صحیح کے یہ دہ گانہ اقسام بیان کرنے کے بعد حاکم قمطراز ہیں:۔

"ہم نے دس قسموں پر احادیث کی صحت کے وجوہ بیان کر دیئے اور اس سلسلہ میں جو اہل فن کا اختلاف تھا وہ بھی واضح کر دیا تاکہ کوئی وہمی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔ کیونکہ جب ہم نے غور و تامل سے کام لیا اور بخاری کو دیکھا

---

[1] تدریب الراوی ص ۱۶۰۔

کہ انہوں نے اپنی تاریخ کو ان لوگوں کے اسماء پر جمع کیا ہے جن سے صحابہ کے زمانے سے لے کر ۲۵۵ھ تک حدیث کی روایت کی گئی ہے تو اُن کی تعداد چالیس ہزار مرد اور عورتوں کے قریب پہنچی اور میں نے جب ان لوگوں کے اسماء کا شمار کیا جن سے صحیحین میں یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں روایت موجود ہے تو وہ دو ہزار مردوں اور عورتوں سے بھی کم نکلے پھر ان چالیس ہزار میں سے ان لوگوں کو میں نے جمع کیا جن پر جرح ہوئی ہے تو کل دو سو چھبیس مرد ہوئے۔

اس لیے علم حدیث کے طالب کو یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات کی ہے اور صحیحین میں ان کے اول درجہ سے احتجاج کیا گیا ہے اور دیگر سارے راویوں کی اکثریت معتبر لوگوں کی ہے جن کی روایتیں صحیحین میں وجوہ سابق کی بنا پر درج نہ ہو سکیں۔

حاکم نے مدخل اور مستدرک دونوں کتابوں میں اس پر بڑا زور دیا ہے کہ صحیح حدیثیں صرف صحیحین ہی میں منحصر و محدود نہیں ہیں بلکہ ان میں ان کا صرف ایک حصہ منقول ہے چنانچہ مستدرک علی الصحیحین کی تصنیف کی تو غرض و غایت ہی اس خیال کا ابطال تھا۔ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

"امام بخاری و مسلم دونوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ حکم نہیں لگایا کہ بجز ان حدیثوں کے جن کو وہ روایت کر چکے ہیں اور کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ہمارے اس عہد میں مبتدعین کی ایک جماعت اٹھی ہے جو محدثین کو چھیڑ کر خوش ہوتی ہے کہ جتنی حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں وہ دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتیں اور یہ اسانید جو ایک ہزار جزء یا اس سے کم و بیش پر مشتمل ہیں سب کی سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔

مجھ سے اس شہر کے اعیان علماء کی ایک جماعت نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون کردوں جو اُن احادیث پر مشتمل ہو جو ایسی اسانید سے مروی ہوں جیسی شیخین کے نزدیک قابل احتجاج ہیں اس لیے کہ جس حدیث میں کوئی علت نہ ہو اسے صحیح سے خارج کرنے کی کوئی

تسلیل نہیں اور شیخین نے کبھی اپنے متعلق اس قسم کا ادعا نہیں کیا۔

بتدعین تو ایک طرف رہے تعجب ہے کہ بعض اکابر محدثین تک اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ شیخین کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد بس اتنی ہی ہے جتنی کہ صحیحین میں مذکور ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے شیخین پر نہایت سختی سے اعتراض کیا کہ وہ صحیح حدیثوں کی بڑی تعداد کو نظر انداز کر گئے، حالانکہ ان کو یہ بات زیبا نہ تھی۔

محدث نووی لکھتے ہیں:۔

"امام حافظ ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما کے لیے ان احادیث کی تخریج کو ضروری قرار دیا جن کو وہ ذکر نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کی اسانید بعینہ وہی ہیں جن سے صحیحین میں روایتیں مذکور ہیں۔ دارقطنی وغیرہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ بالکل صحیح طریقوں سے مروی ہیں اور ان کے ناقلین پر کسی قسم کا کوئی طعن نہیں تاہم شیخین نے ان کی احادیث میں سے کچھ روایت نہیں کیا حالانکہ ان کے اصول پر ان حدیثوں کی روایت کرنا ان کو لازم تھا بیہقی کا بیان ہے کہ ہمام بن منبہ کے صحیفے سے بہت سی احادیث کی روایت پر دونوں متفق ہیں اور اس کی بعض روایات کو ایک نے بیان کیا ہے اور بعض کو دوسرے نے۔ حالانکہ سند ایک ہی ہے (اس لیے ان سب حدیثوں کا دونوں کو روایت کرنا ضروری تھا) دارقطنی اور ابو ذر ہروی نے اسی موضوع پر مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں شیخین کو الزام دیا ہے حالانکہ درحقیقت یہ الزام ان پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے صحیح کے استیعاب کا قطعاً التزام نہیں کیا بلکہ دونوں سے صحت کے ساتھ تصریح موجود ہے کہ انہوں نے استیعاب سے کام نہیں لیا بلکہ ان کا مقصد صحیح احادیث کے ایک حصہ کو مدون

ؔ مستدرک ص ۳ ج ۱۔

کرتا ہے جس طرح کہ فقہ کے مصنف کا مقصد مسائل کے ایک حصہ کا جمع کرنا ہوتا ہے نہ کہ جمیع مسائل کا حصر"[1]

علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ابن الجوزی سے اور طاہر جزائری نے توجیہ النظر میں ابن حبان سے شیخین کے متعلق اسی قسم کا الزام نقل کیا ہے[2]۔

درحقیقت اس غلط فہمی کی بنا یہ ہوئی کہ شیخین نے ان دونوں کتابوں کا نام صحیح رکھا اس سے دار قطنی وغیرہ یہ سمجھے کہ ان کے نزدیک اتنی ہی حدیثیں صحیح ہیں جتنی کہ صحیحین میں مذکور ہیں محدث امیر یمانی لکھتے ہیں

وکانہ فہم ہو ومن تابعہ من التسمیۃ بالصحیح انہ جمیع ما صح وما عداہ ضعیف[3]

غالباً دار قطنی اور ان کے تبعین صحیح نام رکھنے کی وجہ سے یہ سمجھے کہ صحیح جو کچھ ہے تمام تر یہی ہے اور اس کے ماسوا ضعیف ہے۔

حافظ ابو زرعہ رازی پر خدا کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں ان کی فراست ایمانی نے اس چیز کو پہلے ہی تاڑ لیا تھا۔ حافظ عبد القادر قرشی رقمطراز ہیں :۔

"حفاظ کا بیان ہے کہ مسلم نے جب اپنی صحیح کی تالیف کی تو ابو زرعہ رازی کے سامنے اس کو پیش کیا ابو زرعہ نے اس پر ناپسندیدگی اور غصہ کا اظہار کیا کہنے لگے کہ تم نے اس کا نام صحیح رکھ کر اہل بدعت اور دوسرے لوگوں کے لیے ایک زینہ تیار کر دیا کہ جب ان کا کوئی مخالف کسی حدیث کو روایت کریگا تو کہہ دینگے کہ یہ تو صحیح مسلم میں نہیں ہے"۔

حافظ عبد القادر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

فرحم اللہ ابا زرعۃ فقد نطق بالصواب

اللہ ابو زرعہ پر رحم کرے انہوں نے صحیح فرمایا کیونکہ

---

[1] مقدمہ شرح مسلم للنووی ص ۲۴ ج ۱۔ [2] فتح المغیث ص ۱۱۔ توجیہ النظر ص ۹۳۔ [3] توضیح الافکار قلمی ص ۲

فقد وقع ھذا [۱]

ایسا ہی ہوا۔

مستدرک میں حاکم کا سابقہ بیان آپ کی نظر سے گزرا کہ ان کے عہد میں بدعتیوں کی ایک جماعت ایسی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی جو صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں کی احادیث کو صحیح ماننے سے انکار کرتی تھی۔ اور اس سلسلہ میں محدثین کی چھیڑ خانی کو اُنہوں نے اپنا وطیرہ ہی بنا لیا تھا۔

واضح رہے کہ حاکم نے اس سلسلہ میں جو دعویٰ کیا ہے نہایت ہی مدلل ہے۔ ان کے سابقہ بیان میں صاف طور پر تصریح موجود ہے کہ

ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات کی ہے

"صرف امام بخاری کی تاریخ میں چالیس ہزار اُن اشخاص کا تذکرہ ہے جن سے حدیثیں مروی ہیں اور اتنی بڑی جماعت میں مجروحین کی تعداد اس قدر کم ہے کہ شمار کرنے پر بھی دو سو چھبیس سے زیادہ نہ بڑھ سکے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات اور معتبر لوگوں کی ہے"۔ اب صحیحین میں تو صرف دو ہزار راویوں سے حدیثیں منقول ہیں حالانکہ رواۃ ثقات کی تعداد ان سے بیسیوں گنا زیادہ ہے جن کی بیان کردہ حدیثیں بالاتفاق صحیح ہیں پھر یہ دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔ خصوصاً جبکہ اُنہوں نے اس قسم کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ اُن سے خود اس کے برخلاف نہایت کھلے لفظوں میں تصریحات موجود ہیں حافظ ابوبکر حازمی نے شروط الائمۃ الخمسۃ میں بسند متصل امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

احفظ مائۃ الف حدیث صحیح منہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ ہیں۔

یاد رہے یہ تمام صحیح حدیثوں کی تعداد نہیں بلکہ صرف امام بخاری کی محفوظات کا شمار ہے۔ اور صحیح بخاری میں جتنی حدیثیں مروی ہیں اُن سب کی تعداد مکررات، معلقات اور متابعات کو ملا کر بھی نو ہزار بیاسی ہے [۲]۔ حافظ ابن کثیر الباعث الحثیث میں لکھتے ہیں۔

---

[۱] الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۳۰ [۲] ہدی الساری ج ۲ ص ۱۸۷ - طبع مصر۔

"بلا شبہ بخاری و مسلم نے ان تمام احادیث کی روایت کا التزام نہیں کیا جن پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے خود بہت سی ان احادیث کو صحیح کہا ہے جو ان کی کتابوں میں موجود نہیں چنانچہ ترمذی وغیرہ بخاری سے ان احادیث کی تصحیح نقل کرتے ہیں جو بخاری میں موجود نہیں بلکہ سنن میں مروی ہیں"[1]

درحقیقت جیسا کہ محدث نووی نے بیان کیا ہے "ان کا مقصد استیعاب نہیں بلکہ صحیح احادیث کے ایک حصہ کو مدون کرنا ہے" حافظ حازمی نے بسند متصل امام بخاری کی تصریح نقل کی ہے

لم اخرج فی ھذا الکتاب الا صحیحا و	میں نے اس کتاب میں صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں
ما ترکت من الصحیح اکثر (ص۲۱)	اور جس قدر صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا وہ اس سے بہت

حافظ حازمی نے امام بخاری کا یہ بیان بھی بسند متصل نقل کیا ہے۔

کنت عند اسحٰق بن راھویہ فقال	میں اسحٰق بن راہویہ کے پاس تھا کہ ہمارے اصحاب
لنا بعض اصحابنا لو جمعتم کتابا مختصرا	میں سے ایک شخص کی زبان سے نکلا "کاش تم
لسنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوقع	لوگ کوئی مختصر کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
ذلک فی قلبی فاخذت فی جمع ھذا	وسلم کی سنن میں مدون کر دیتے" یہ بات میرے
الکتاب (ص۲۱)	دل کو لگ گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع

حازمی اس بیان کو نقل کر کے لکھتے ہیں :-

قد ظھر ان قصد البخاری کان وضع	پس معلوم ہوا کہ بخاری کا مقصد صحیح حدیث کی
مختصر فی الصحیح ولم یقصد الاستیعاب	ایک مختصر کتاب مرتب کرنا تھا اور استیعاب ان
لا فی الرجال ولا فی الحدیث (ص۲۱)	کا مقصد نہ تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں

---

[1] منہج الوصول ص ۲۷ و ۲۸

یہ تو ہوئیں امام بخاری کی تصریحات۔ امام مسلم کی تصریح خود صحیح میں موجود ہے فرماتے ہیں:

لیس کل شیء عندی صحیح وضعتہ۔ جتنی حدیثیں میرے نزدیک صحیح ہیں وہ سب میں نے یہاں جمع نہیں کیں۔ [۱]

اور حافظ حازمی نے بسند متصل روایت کی ہے کہ

"مسلم جب رے میں پہنچے اور حافظ ابو عبداللہ بن وارہ کے یہاں گئے تو وہ اُن سے اچھی طرح پیش نہیں آئے۔ صحیح کی تصنیف پر عتاب کا اظہار کیا حافظ ابو زرعہ نے جو کہا تھا اسی کے قریب قریب اُنہوں نے بھی کہا۔ اس پر مسلم نے معذرت کی اور فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کی تخریج کر کے اس کو صحیح کہا ہے اور یہ نہیں کہا ...... کہ جو حدیث اس کتاب میں روایت نہ کروں وہ ضعیف ہے لیکن اس کی تدوین اس لیے کی کہ یہ مجموعہ میرے پاس اور نیز اُن لوگوں کے پاس موجود رہے جو مجھ سے اس کتاب کو لکھیں اور ان احادیث کی صحت میں شبہ نہ کیا جائے میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کے علاوہ اور حدیثیں ضعیف ہیں۔ حافظ ابن وارہ نے ان کی یہ معذرت قبول کی اور پھر ان سے حدیثیں بیان کیں۔" ص۲۴

غرض شیخین کی ان تصریحات کی موجودگی میں نہ متدرکین کا خیال صحیح ہو سکتا ہے اور نہ ان لوگوں کا وہ الزام جو اس بارے میں وہ شیخین پر عائد کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں دارقطنی، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ کو شیخین کی ان تصریحات پر اطلاع نہ ہو سکی ورنہ ان کو نہ اس الزام کے دینے کی ضرورت لاحق ہوتی نہ اس سلسلہ میں کسی تصنیف کی زحمت اُٹھانی پڑتی۔

اس سلسلے میں بعض خلاف تحقیق بیانات افسوس ہے کہ ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی بعض علماء نے

---

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۲ طبع مصر۔

اس سلسلہ میں اس قسم کا اظہار خیال کیا کہ جو سراسر ان تصریحات کے منافی اور تحقیق کے بالکل خلاف ہے حافظ ابو عبد اللہ بن الاخرم سے جو حاکم کے اساتذہ میں سے ہیں مقدمہ ابن صلاح میں منقول ہے۔

قل مایفوت البخاری ومسلم مما یثبت من الحدیث یعنی فی الصحیحین[۱]

بخاری و مسلم سے صحیحین میں بہت ہی کم صحیح حدیثیں چھوٹتی ہیں۔

امام بخاری کا بیان ہے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں، جس قدر صحیح حدیثوں کو میں نے ذکر نہیں کیا وہ نہ صرف زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہیں، میرا خیال صرف ایک مختصر مجموعہ سنن کی تدوین کا تھا امام بخاری کی ان تصریحات کی موجودگی میں ابن الاخرم کے اس بیان کو ملاحظہ فرمائیے کہ تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

نووی کا بیان | تعجب تو نووی پر ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے ابن وارہ سے امام مسلم کی معذرت نقل کرتے ہوئے[۲] اور دار قطنی وغیرہ کی تردید میں اس قدر بلند آہنگ ہوتے ہوئے بھی یہ لکھ گئے

"لیکن شیخین جب کسی حدیث کو باوجود اس کے ظاہر میں صحیح الاسناد ہونے کے بالکلیہ ترک کردیں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک ایسا کرے اور اس کی کوئی نظیر یا کوئی اور روایت جو اس کے قائم مقام ہو سکے اس باب میں ذکر نہ کریں تو ان کے حال سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو اگر اس حدیث کی روایت حاصل ہے تو یقیناً ان کو اس کے متعلق کسی علت کی اطلاع ہوگی اور احتمال اس کا بھی ہے کہ ان سے بھول کر ایسا ہوگیا یا کتاب کی طوالت کے خیال سے ایسا کیا ہو یا ان کے خیال میں دوسری حدیث نے اس کمی کو پورا کردیا ہو یا اور کوئی وجہ ہو[۳]"

غور فرمائیے کہ جو ظاہر تھا یعنی امام بخاری کی یہ تصریح کہ جس قدر صحیح حدیثوں کو میں نے چھوڑ دیا

---

[۱] مقدمہ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۶۔ [۲] ایضاً ج ۲ ص ۱۶۔

وہ بہت زیادہ ہیں، جن کے ترک کرنے کی وجہ میں خود فرماتے ہیں:۔

وترکت من الصحیح حتی لا یطول[1] اور بہت سی صحیح احادیث کو اس لیے چھوڑ دیا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔

اس کو تو احتمال کردیا اور جو احتمال تھا اور وہ بھی محض غیر موجود اسے ظاہر کہہ گئے۔

ابن صلاح کا بیان | اور شیخ ابن صلاح نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ

"جب ہم اجزاء حدیث وغیرہ میں جن کی روایت کی جاتی ہے کوئی حدیث صحیح الاسناد پائیں اور وہ صحیحین میں سے کسی ایک میں ہم کو نہ مل سکے اور نہ ائمہ حدیث کی معتمد اور مشہور کتابوں میں اس کی صحت کی تصریح ہو تو ہم اس کی صحت پر جزم کے ساتھ حکم لگانے کی جرأت نہیں کریں گے[2]۔"

اور آگے چل کر یہ بھی فرما دیا کہ

"پھر صحیحین سے زائد صحیح حدیثیں طلب کرنے والے کو چاہیے کہ ائمہ حدیث جیسے ابو داؤد سجستانی ابو عیسیٰ ترمذی، ابو عبد الرحمن نسائی، ابو بکر بن خزیمہ، ابو الحسن دار قطنی وغیرہ کی کسی مشہور اور معتمد کتاب سے لے جس کی صحت کی اس کتاب میں تصریح موجود ہو ورنہ مجرد حدیث کا سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، اور ان تمام لوگوں کی کتابوں میں جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح کو جمع کیا ہے موجود ہونا کافی نہیں[3]۔"

حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن صلاح سے علوم الحدیث میں بعض ایسی سخت اصولی غلطیاں ہو گئیں جن کی وجہ سے بعد کے محدثین کو اس سلسلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کرنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حافظ مغلطای نے اصلاح ابن الصلاح اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے النکت علی ابن الصلاح لکھ کر ان کی اغلاط کو واضح کیا۔ حافظ زین الدین عراقی رقمطراز ہیں۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری ج ۱ ص ۴ [2] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۲ [3] ایضاً ص ۱۶

الا ان فیہ غیر موضع قد خولف فیہ ۔ مگر ابن صلاح کی کتاب میں بہت سی جگہوں سے
اما کن اخر تحتاج الی تقیید و تنبیہ[1] اختلاف کیا گیا ہے اور اس میں متعدد مقامات
ایسے ہیں جہاں پر کسی قید کے بڑھانے یا ٹوکنے کی ضرورت ہے۔

شیخ موصوف کی انہی اصولی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو ان کی مذکورہ بالا تحریر میں آپ کی نظر سے گزری کہ جب تک کوئی حدیث صحیحین میں نہ ہو یا ائمہ حدیث کی تصریح اس کی صحت کے متعلق نہ ہو تو گو وہ حدیث صحیح الاسناد ہو مگر پھر بھی اس کی تصحیح نہ کرنا چاہیے۔

غور فرمایئے کہ شیخ موصوف نے اس طرح تصحیح کو روک کر امت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تحقیق کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ اتنی بڑی غلطی تھی کہ بعد کو جس شخص نے بھی ان کے کلام کی تلخیص کی اُس نے ان پر اعتراض کیا چنانچہ حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں :۔

قد اعترض علی ابن الصلاح کل من جس شخص نے بھی ان کے کلام کی تلخیص کی اُس نے
اختصر کلامہ[2] اس سلسلہ میں اُن پر اعتراض کیا۔

امام نووی تک ابن صلاح کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔

والاظہر عندی جوازہ لمن تمکن و میرے نزدیک جس میں اہلیت ہو اور جس کی معرفت
قویت معرفتہ[3] قوی ہو اُس کے لیے تصحیح کا جائز ہونا زیادہ ظاہر ہے۔

حافظ زین الدین عراقی کا بیان ہے :۔

وما رجحہ النووی ھو الذی علیہ عمل نووی نے جس کو ترجیح دی ہے اسی پر محدثین کا
اھل الحدیث[4] عمل چلے۔

حافظ ابن حجر نے نکت میں ابن صلاح کے اس خیال کی پوست کندہ تردید کی ہے جو تدریب الراوی

---

[1] التقیید والایضاح ص ۴ [2] تدریب الراوی ص ۴۷ [3] تقریب نووی مع تدریب [4] التقیید والایضاح

اور توضیح الافکار میں تفصیل سے مذکور ہے۔ ہم اس کا اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

"ایسی مشہور کتاب جو اپنی شہرت کی وجہ سے ہم سے لے کر مصنف تک اسناد کے اعتبار کرنے سے مستغنی ہو جیسے مسانید وسنن ہیں کہ ان کو اپنے مؤلف کی طرف منسوب ہونے کے لیے کسی معین اسناد کی ضرورت نہیں ایسی کتاب کا مصنف جب کوئی حدیث بیان کرے کہ اس میں تمام شرطیں موجود ہوں اور ایک باخبر اور پکا محدث اس میں کوئی علت نہ پائے تو اس پر صحت کا حکم دینا ممنوع نہیں اگرچہ متقدمین میں سے کسی ایک شخص نے بھی اس کی تصریح نہ کی ہو۔"

پھر ابن صلاح کا بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ متقدمین کی تصیح قبول کی جائے اور متاخرین کی رد کر دی جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض اوقات صحیح حدیث کو رد کر دینا پڑیگا اور جو صحیح نہ ہوگی اُسے قبول کرنا ہوگا کیونکہ ایسی بہت سی روایات موجود ہیں کہ متقدمین میں سے کسی نے اس کو صحیح کہا ہے مگر بعد کے کسی امام کو اس میں ایسی علت قادحہ پر اطلاع ہوگئی جس سے اس کی صحت کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ اس متقدم کی رائے میں حسن اور صحیح میں فرق نہ ہو جیسے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان[1]۔

حدیث صحیح کی تعریف خود ابن صلاح کے الفاظ میں یہ ہے۔

"حدیث صحیح وہ حدیث مسند ہے جس کی اسناد بذریعہ ایک عدل ضابط کے جو دوسرے عدل ضابط سے ناقل ہو آخیر تک متصل ہو اور نہ شاذ ہو نہ معلل"۔

اب جن حدیث میں یہ سب صفات موجود ہوں اس کو صحیح نہ کہنا گیا معنی ایسی صورت میں صحیح کی یہ تعریف جو خود انہوں نے کی ہے صحیح نہیں رہیگی کہ اپنے تمام افراد پر صادق نہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص ۴۴۔

سنن کی احادیث کا حکم اور ابنِ صلاح کے خیال کا ابطال

پھر ابنِ صلاح نے جو یہ لکھا ہے کہ :۔

"مجرد حدیث کا سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سننِ نسائی اور ان تمام لوگوں کی کتابوں میں جنھوں نے صحیح اور غیر صحیح کو جمع کیا ہے موجود ہونا کافی نہیں"

صحیح نہیں کیونکہ اس کی بنیاد حسن وصحیح میں امتیاز پر ہے جو متاخرین کی اصطلاح ہے اور ابنِ صلاح کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ان کتابوں کی حدیثوں کی تصحیح منقول نہ ہو تو ان کو صحیح نہ کہا جائے بلکہ حسن کہا جائے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

کتاب ابی عیسے الترمذی رحمہ اللہ اصل فی معرفۃ الحدیث الحسن فھو الذی نوہ باسمہ واکثر من ذکرہ فی جامعہ [1]	ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث حسن کی معرفت میں اصل ہے اسی نے اس کے نام کو دوبالا کیا اور ترمذی نے اسی کا ذکر اپنی جامع میں زیادہ کیا ہے۔

اور سنن ابی داؤد کے متعلق رقمطراز ہیں۔

ما وجدناہ فی کتابہ مذکورا مطلقا ولیس فی واحد من الصحیحین ولا نص علی صحتہ احد ممن یمیز بین الصحیح والحسن عرفناہ بانہ من الحسن عند ابی داؤد [2]	جو حدیث ان کی کتاب میں بغیر کسی کلام کے پائی جائے اور صحیحین میں سے کسی میں مذکور نہ ہو اور نہ کسی ایسے شخص سے اس کی تصحیح منقول ہو جو صحیح اور حسن میں امتیاز کرتا ہے تو اس کے متعلق ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ ابوداؤد کے نزدیک حسن میں ہے

غور فرمائیے اپنی خود ساختہ اصطلاح کا التزام متقدمین پر بھی عائد کرنا چاہتے ہیں۔ حسن دراصل صحیح ہی کی ایک قسم ہے اس لئے صحیح نہ کہنا حسن کہنا درحقیقت ایک لفظی مغالطہ ہے جس سے بجز اس کے کہ ان کتابوں کی وقعت گرائی جائے اور کوئی فائدہ نہیں۔ سابق میں حافظ ذہبی کی تصریح گزر چکی کہ متقدمین کے

---

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۳۸ [2] مقدمہ ابنِ صلاح ص ۳۹

نزدیک حسن صحیح ہی کی ایک قسم ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بجز امام ترمذیؒ کے سارے محدثین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک حسن صحیح ہی میں داخل ہے۔[۱] خود ابن صلاح لکھتے ہیں۔

"بعض محدثین حسن کو علیحدہ نوع نہیں شمار کرتے بلکہ اس کو صحیح کے انواع ہی میں داخل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ قابل احتجاج حدیث کے انواع میں شامل ہے حافظ ابو عبداللہ حاکم کے کلام سے یہی ظاہر معلوم ہوتا ہے اور انھوں نے کتاب ترمذی کو جو جامع صحیح سے موسوم کیا ہے وہ اسی کی طرف ایماء ہے، ابوبکر خطیب نے بھی ترمذی اور نسائی کی کتاب پر صحیح کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔"[۲]

حافظ سیوطیؒ نے بالکل بجا فرمایا ہے۔

وحینئذ یرجع الامر فی ذلک الی الاصطلاح	اس وقت معاملہ محض اصطلاح کا آجائیگا اور
ویکون الکل صحیحا[۳]	سب (حسن حدیثیں) صحیح ہوں گی۔

تعجب ہے کہ ابن صلاح نے سنن کے متعلق تو ایک عام حکم دیدیا کہ ان میں اگرچہ صحیح الاسناد حدیث موجود ہو مگر جب تک ائمہ متقدمین سے اس کی صحت کی تصریح منقول نہ ہو اُسے صحیح نہ کہنا چاہیے۔ مگر صحیح ابن خزیمہ کے متعلق ارشاد ہے۔

"جن لوگوں نے کہ اپنی جمع کردہ کتاب میں صحیح کی تخریج مشروط رکھی ہے جیسے ابن خزیمہ کی کتاب اس میں مجرد حدیث کا موجود ہونا اس کی صحت کے لئے کافی ہے"۔ ص۱۶

حافظ ابن حجر کی تصریح سابق میں گزر چکی کہ ابن حبان اور ابن خزیمہ کے نزدیک حسن صحیح کی قسم میں داخل ہے۔ اب غور فرمائیے کہ جب ابن خزیمہ صحیح و حسن میں تفریق نہیں کرتے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ جو حدیث وہ روایت کریں وہ صحیح ہی ہو حسن نہ ہو۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں بہت سی حدیثیں ہیں جو متاخرین کی اصطلاح پر حسن سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ اسی طرح امام ترمذیؒ نے بہت سی ان حدیثوں

---

[۱] فتح المغیث للسخاوی ص۳۰۔ [۲] مقدمہ ابن صلاح ص۱۵ و ۱۶۔ [۳] تدریب الراوی ص۵۲

کو صحیح کہا ہے جو متاخرین کے نزدیک حسن میں داخل ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

فکم فی کتاب ابن خزیمۃ من حدیث محکوم بصحتہ وھو لا یرتقی عن رتبۃ الحسن و کذا فی صحیح ابن حبان و فیما صححہ الترمذی من ذلک جملۃ [۱]	ابن خزیمہ کی کتاب میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کی صحت کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ حسن کے درجے سے آگے نہیں بڑھتیں اور ترمذی نے جن حدیثوں کو صحیح کہا ہے ان میں بھی ایسی حدیثوں کا ایک حصہ ہے۔

صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان ایک طرف خود صحیحین میں حسن حدیثیں موجود ہیں۔ امام نووی کے الفاظ ہیں۔

احادیثہما صحیحۃ او حسنۃ [۲]	صحیحین کی حدیثیں یا تو صحیح ہیں یا حسن۔

اور محدث امیر یمانی لکھتے ہیں۔

ان صحیح مسلم فیہ الصحیح والحسن بصریح ما قالہ [۳]	بلاشبہ خود امام مسلم کی تصریح کے مطابق صحیح مسلم میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

اب اگر حسن کی اصطلاح کے باعث کتب سنن میں صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز کیا جاتا ہے تو یہ امتیاز صحیحین، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور جمیع مستخرجات صحیحین کے متعلق بھی کرنا چاہیئے کہ مجرد ان میں کسی حدیث کو دیکھ کر صحیح نہ کہا جائے کیونکہ ان سب میں حسن بھی ہیں اور صحیح بھی۔ لہذا جو حسن ہوں ان کو حسن اور جو صحیح ہوں ان کو صحیح کہا جائے یا پھر ائمہ حدیث کی ان مشہور اور معتبر کتابوں میں جو ابواب پر مرتب ہیں جو حدیث بھی پائی جائے اسے جب تک کہ ائمہ حدیث کی تضعیف اس کے متعلق معلوم نہ ہو صحیح سمجھا جائے کیونکہ مصنفین ابواب کے نزدیک حدیث صحیح کی تخریج مشروط ہے۔ حاکم کے بیان میں اس کی تصریح سابق میں گذر چکی ہے اور حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں صاف لفظوں میں تحریر فرمایا ہے۔

---

[۱] توضیح الافکار قلمی ص۲۷ [۲] منہج الوصول ص۱۱ [۳] توضیح الافکار ص۲۷

ان المصنف علی الابواب انما یورد اصح ما فیہ لیصلح للاحتجاج۔ ملخصہ | ابواب پر جو شخص تصنیف کرتا ہے وہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث پیش کرتا ہے تاکہ اس سے احتجاج کیا جا سکے۔

پس جب تضعیف موجود نہیں تو زیادہ سے زیادہ وہ متاخرین کی اصطلاح پر حسن ہو گی جو سلف کے نزدیک صحیح ہی کی ایک قسم ہے اور متاخرین و متقدمین سب کے نزدیک قابلِ احتجاج ہے۔ اسی اصول پر حافظ ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ۔

کُلُّ ما سکت علیہ ابو داؤد فھو صحیح عندہ۔ لہ | ابو داؤد جس حدیث پر کلام نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔

اور اسی اصول پر حاکم اور خطیب نے جامع ترمذی کو صحیح کہا ہے اور امام نسائی نے اپنی کتاب سنن کے متعلق فرمایا ہے۔

کتاب السنن صحیح کلہ ۲ | کتاب السنن تمام تر صحیح ہے۔

افسوس ہے کہ ایک طرف تو ابن خزیمہ وغیرہ کے اپنی تصنیفات کا صرف صحیح نام رکھ دینے سے ان کی ہر روایت کو صحیح کہا جائے اور دوسری طرف ان ائمہ کی تصریحات کے باوجود حدیث کے صحیح الاسناد ہوتے ہوئے بھی اسے صحیح کہنے سے گریز کیا جائے۔ ع ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے۔

امام ابو عصمہ مروزی اور حاکم مقالہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نے امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم مروزی پر جو وضع حدیث کا الزام عائد کیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ وضاعین حدیث پر بحث کرتے ہوئے حاکم رقمطراز ہیں۔

سمعت محمد بن یونس المقری قال سمعت جعفر بن احمد | ابو عمار مروزی کا بیان ہے کہ ابو عصمہ سے کہا گیا تمہارے

لہ توضیح الافکار ص۲۵۱۔ ۲ زہر الربی علی المجتبیٰ للسیوطی ص۳ طبع نظامی۔

بن نصر سمعت ابا عمار المروزی یقول قیل لابی عصمة من این لک عن عکرمة عن ابن عباس رض فی فضائل القرآن سورة سورة ولیس عند اصحاب عکرمة قال انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقہ ابی حنیفة ومغازی محمد بن اسحٰق فوضعت ہذا الحدیث حسبة

پاس فضائل قرآن میں ایک ایک سورت کے بارے میں عکرمہ کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے کہاں سے ہاتھ لگی حالانکہ اصحاب عکرمہ کے پاس یہ روایت موجود نہیں جواب دیا کہ میں نے جب دیکھا کہ لوگوں نے قرآن سے اعراض کر لیا ہے اور فقہ ابی حنیفہ اور مغازی محمد بن اسحٰق میں مشغول ہیں تو کارِ خیر سمجھکر یہ روایت بنائی۔

یاد رہے سب سے پہلے حاکم ہی نے ابو عصمہ کے متعلق یہ روایت بیان کی ہے حاکم سے ابنِ صلاح نے لیا اور پھر نقل در نقل مذکور ہوتی چلی آئی حتیٰ کہ عبد العلی بحر العلوم اور مولانا ابو الحسنات عبد الحی فرنگی محلی تک نے اس کو بلا تنقید نقل کر ڈالا لیکن حقیقت میں امام ابو عصمہ کے متعلق یہ محض افسانہ ہے جس کو صحت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

بحث کے دو پہلو ہیں۔ نقلی اور عقلی، نقلی حیثیت اس روایت کی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے۔ کیونکہ ابو عمار مروزی کی وفات سنہ ۲۴۴ھ میں ہوئی ہے[5] اور ابو عصمہ کی تاریخ وفات حافظ ذہبی نے سنہ ۱۷۳ھ[6] اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں سنہ ۱۵۳ھ بتلائی ہے[7]۔ اس اعتبار سے ان دونوں کی وفات میں بقول ذہبی اکہتر سال اور بقول ابن حبان اکانوے سال کا فرق ہے۔ ابو عمار کو معمرین میں کوئی شمار نہیں کرتا اور وہ خود یہ بیان نہیں کرتے کہ ابو عصمہ کا یہ بیان انھوں نے کس سے سنا ہے۔ اور بالفرض ان کو معمر بھی مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابو عصمہ کی وفات کے وقت ان کی عمر سماع کے قابل تھی تب بھی اس روایت کا انقطاع

---

[1] مدخل میں غلطی سے ابا عمار کی بجائے ابا عمارہ چھپ گیا ہے۔ تدریب الراوی ص۱۰۲۔ اور شرح الشرح لنخبۃ الفکر ملا علی قاری ص۱۲۰ اور دوسری کتابوں میں ابا عمار ہی مرقوم ہے۔ [5] شذرات الذہب، جلد ۲ ص۱۰۵ طبع مصر سنہ ۱۳۵۰ھ [6] دول الاسلام للذہبی، جلد ۱ ص۸۸ طبع دائرۃ المعارف سنہ ۱۳۳۷ھ [7] لسان المیزان جلد ۶ ص۱۷۴ طبع دائرہ المعارف سنہ ۱۳۳۱ھ۔

اپنی جگہ پر باقی ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ میں نے خود ابوعصمہ سے سنا۔ بلکہ قیل (کہا گیا) کہکر اس قصہ کو بیان کرتے جس سے خود اس کا ضعف ظاہر ہے۔ ابوعصمہ سے کہنے والا کون تھا؟ یہ خود اس وقت موجود تھے یا نہیں اس کا کچھ ذکر نہیں۔ یقیناً موجود تو نہیں تھے ورنہ کہتے قیل لابی عصمۃ وانا حاضر (ابوعصمہ سے کہا گیا اور میں موجود تھا) جب موجود نہ تھے تو پھر بیان کرنے والے کا نام کیوں نہیں بتاتے غرض اس قصہ کا تمامتر دار مدار ایک مجہول شخص کے بیان پر ہے اور جرح کے بارے میں کسی مجہول شخص کا بیان قابل تسلیم نہیں غالباً اس روایت کی عدم صحت ہی کی وجہ سے حافظ ذہبی جیسے سخت گیر شخص نے بھی جو ائمہ احناف کے متعلق جرح تلاش کرکرکے نقل کرنے کے عادی ہیں۔ اس الزام کی ساری ذمہ داری خود حاکم پر ڈال دی ہے چنانچہ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

وقال الحاکم وضع ابوعصمۃ حدیث فضائل القرآن الطویل [۱] — حاکم کا بیان ہے کہ ابوعصمہ نے فضائل قرآن کی طویل حدیث بنائی۔

ورنہ صاف طور سے کہتے کہ بروایت صحیح ابوعصمہ کا اقرار وضع حدیث ثابت ہے۔

اب ذرا اس روایت کی عقلی حیثیت پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ امام ابوعصمہ نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی تھی اور مغازی کی ابن اسحٰق سے۔ حافظ سمعانیؒ نے کتاب الانساب میں جامع کے لفظ کے تحت تصریح کی ہے کہ ان کی مجالس علم و درس چار قسم کی تھیں ایک مجلس حدیث شریف کے لئے مخصوص تھی، ایک میں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل بیان ہوتے تھے۔ ایک نحو کے لئے خاص تھی، اور ایک اشعار کے لئے۔ [۲] صدر الائمہ موفق بن احمد مکی کا بیان ہے کہ مجلس حدیث میں مغازی کا بھی بیان ہوتا تھا۔ اب غور فرمایئے جو شخص خود فقہ ابی حنیفہ اور مغازی ابن اسحٰق کے درس میں مشغول ہو وہ دوسروں کے اس شغل پر کیسے نفرت کا اظہار کر سکتا ہے۔

---

[۱] میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۴۵ طبع مصر ۱۳۲۵ھ [۲] انساب سمعانی ورق (۱۱۹)

یہ بھی خیال رہے کہ ابو عصمہ کی جلالت علمی کا موافق و مخالف سب ہی کو اعتراف ہے۔ خود حاکم کے الفاظ ہیں ابو عصمۃ مقدم فی علومہ[۲] (ابو عصمہ اپنے علوم میں مقدم ہیں)۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ نوح بن ابی مریم یزید بن عبد اللہ ابو عصمۃ المروزی عالم اھل مرو[۳]

بڑے بڑے ائمہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

قال العباس بن مصعب وروی عنہ شعبۃ وابن المبارک۔[۴] — عباس بن مصعب کا بیان ہے کہ ان سے شعبہ اور ابن مبارک نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

اور حافظ عبد القادر قرشی الجواہر المضیہ میں رقمطراز ہیں۔

وروی عنہ نعیم بن حماد شیخ البخاری فی آخرین قال الامام احمد بن حنبل کان شدیدا علی الجھمیہ[۵] — ان سے بخاری کے استاد نعیم بن حماد اور دیگر اشخاص نے روایتیں کی امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ یہ جہمیہ کے سخت مخالف تھے۔

علوم کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ اپنی وسعت علمی کی بنا پر امت میں جامع کے لقب سے یاد کئے گئے۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں تصریح کی ہے۔

ویعرف بالجامع لجمعہ العلوم[۱] — یہ جامع کے لقب سے مشہور ہیں کیونکہ انھوں نے علوم کو جمع کیا تھا۔

غور فرمائیے ان کی جامعیت علوم کا سب کو اعتراف ہے امام احمد بن حنبل ان کے عقائد کی صحت پر شاہد ہیں۔ شعبہ، ابن مبارک، ابن جریج جیسے ائمہ اور امام بخاری و مسلم کے شیوخ حدیث ان سے حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل، جامع ترمذی، تفسیر ابن ماجہ میں امام موصوف کی حدیثیں

---

[۱] لسان المیزان جلد ۶ ص ۴۲۶۔ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۸۸ [۳] میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۴۵

[۴] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۸۶ [۵] الجواہر المضیہ جلد ۱ ص ۱۷۶ [۶] جامع ترمذی کتاب العلل ص ۶۵۲

منقول ہیں۔ کیا تھوڑی دیر کے لئے بھی ایسے شخص کے متعلق وضعِ حدیث کا خیال کیا جا سکتا ہے۔

اتنی بحث عقلی و نقلی پہلو سے ہمارے دعوی کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ درحقیقت یہ واقعہ مشہور وضاع حدیث میسرہ بن عبد ربہ کا ہے جو غلطی سے امام ابو عصمہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں۔

قال محمد بن عیسی بن الطباع قلت لمیسرة بن عبد ربہ من این جئت بھذہ الاحادیث من قرأ کذا کان لہ کذا قال وضعتہ ارغب الناس قال ابن حبان کان ممن یروی الموضوعات عن الاثبات ویضع الحدیث وھو صاحب حدیث فضائل القرآن الطویل ؎	محمد بن عیسی بن طباع کا بیان ہے کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے کہا تو یہ حدیثیں کہاں سے لایا کہ جس نے یہ پڑھا اس کے لئے یہ ہے۔ کہنے لگا میں نے یہ لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے گڑھی ہیں ابن حبان کہتے ہیں یہ ثقات سے موضوعات بیان کرتا اور حدیثیں بناتا ہے۔ فضائل قرآن کی طویل حدیث اسی کی بنائی ہوئی ہے۔

فضائلِ قرآن کی طویل حدیث ایک ہی ہے اس کے دو وضاع کیسے ہو سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ میسرہ کے متعلق اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی حاکم اس کے وضع کرنے کا الزام امام ابو عصمہ پر عائد کر رہے ہیں۔

بلاشبہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بعض محدثین سے ان کے حق میں جرحیں نقل کی ہیں مگر وہ باوجود مبہم اور غیر مفسر ہونے کے فاحش اور سخت نہیں ہیں۔ ان سب جرحوں کے پڑھنے سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا فن حدیث نہیں تھا اس لئے ان سے روایت میں غلطیاں ہوئیں۔ بدیں وجہ یہ اس درجہ تو قوی نہیں کہ ان کی روایت احتجاج کے طور پر پیش کی جا سکے ہاں اعتبار و استشہاد میں کام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ عدی

؎ میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۳۲

تصریح فرماتے ہیں۔

وھو مع ضعفہ یکتب حدیثہ [1] — باوجود ان کے ضعیف ہونے کے ان کی روایت لکھی جائیگی۔

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ حلیمی کے ترجمہ میں نہایت ہی عالی سند سے ان کی یہ حدیث روایت کی ہے انا نوح بن ابی مریم عن یزید الرقاشی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لصاحب القرآن دعوۃ مستجابۃ عند ختمہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

نوح الجامع مع جلالتہ فی العلم ترک	نوح جامع کی حدیثیں ان کی جلالت علمی کے
حدیثہ وکذلک شیخہ مع عبادتہ	باوجود ترک کردی گئیں اور اسی طرح ان کے
فکم من امام فی فن مقصر عن غیرہ	شیخ یزید رقاشی کی باوجود ان کے عابد ہونے
کسیبویہ مثلاً امام فی النحو ولا	کے کیونکہ بہت سے علماء ایک فن کے امام ہیں
یدری ما الحدیث ووکیع امام	دوسرے فن میں قاصر ہیں، جیسے سیبویہ کہ نحو کے
فی الحدیث ولا یعرف العربیہ	امام ہیں حدیث نہیں جانتے، وکیع حدیث میں
وکابی نواس راس فی الشعر عری	امام ہیں علوم عربیت سے ناواقف، ابونواس
من غیرہ وعبد الرحمن بن مھدی	شعر کا استاذ ہے دوسرے فنون سے بے بہرہ
امام فی الحدیث لا یدری ما الطب	عبد الرحمن بن مہدی حدیث کے امام ہیں طب
قط ومحمد بن الحسن راس فی الفقہ ولا	کا پتہ نہیں کہ کیا ہے۔ محمد بن حسن فقہ میں سردار
یدری ما القراآت وکحفص امام فی القراءۃ	ہیں قرأت سے ناآشنا حفص قرأت میں امام
تالف فی الحدیث۔ وللحروب رجال	ہیں حدیث میں بے بضاعت، غرض ع ہر کسے را

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۴۵۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۸۸ یکتب حدیثہ حافظ ذہبی کی تصریح کے مطابق ضعف مطلق کی نفی کرتا ہے۔ مقدمہ میزان

یعرفون بها وفی الجملہ ما اوتوا من العلم الا قلیلا ۔ ؎۱	بہر کارے ساختند، ہر کارے وہر مردے، بہرحال علم سب کو تھوڑا دیا گیا ہے ۔

غور فرمایئے اعتذار کے اس زور پر جو حافظ ذہبی نے نوح جامع کی روایت کے ترک کرنے پر صرف کیا ہے۔ کیا حافظ ذہبی جیسا شخص کسی کذاب اور وضاع کے لئے ایک لمحہ کے واسطے بھی اس قسم کا اعتذار کر سکتا ہے کذاب اور وضاع ہونا تو درکنار اگر اس قسم کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو تو حافظ ذہبی کی سیاہی کا ایک نقطہ اور قلم کی معمولی سی جنبش بھی اس کے اعتذار کے لئے عمل میں نہیں آسکتی۔ حافظ ذہبی کے نزدیک نوح جامع کی امامت اور جلالتِ علمی کی وہی شان ہے جو سیبویہ، وکیع، ابو نواس، عبد الرحمٰن بن مہدی محمد بن حسن اور حفص کی۔ ان کے خیال میں چونکہ حدیث ان کا فن نہیں اس لئے ان کی روایت حدیث میں ترک کی گئی۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح امام نوح کا مفصل تذکرہ ہم کو مل جائے۔ مگر حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب کے علاوہ اور کہیں مفصل تذکرہ نہیں مل سکا اور یہ دونوں بزرگ وہ ہیں جن کی سخت گیری علماءِ احناف کے خلاف نہایت ہی مشہور و معروف ہے۔ جس کا ان کے چہیتے اور مایۂ ناز شاگردوں تک کو اعتراف ہے، چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اپنے شیخ ذہبی کے متعلق اور علامہ سخاوی نے بعینہٗ دررکامنہ میں اپنے استاد ابن حجر کے بارے میں اس کی صراحت کی ہے۔ ؎۲ اور اسی بنا پر قاضی القضاۃ ابو الفضل محب الدین محمد بن الشحنہ اپنی شرح ہدایہ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر کے متعلق رقمطراز ہیں۔

وکان کثیر التنکیت فی تاریخہ علی مشایخہ واحبابہ واصحابہ لاسیما	ابن حجر اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ، احباب و اصحاب پر بہت سخت گیر ہیں خصوصاً حنفیہ کے

؎۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ ۲۲۰ ؎۲ دیکھو طبقات الشافعیۃ الکبری جلد ۱ صـ ۱۹۱ و دررکامنہ جلد ۲ صـ ۲۴۸۔

الحنفية فانه يظهر من زلاتهم
ونقائصهم التي لا يعرى عنها
غالب الناس ما يقدر عليه ويغفل
ذكر محاسنهم وفضائلهم الا ما
الجأته الضرورة اليه فهو سالك
في حقهم ما سلكه الذهبي في
حقهم وحق الشافعية حتى قال
السبكي انه لا ينبغي ان يؤخذ من
كلام ترجمة شافعي ولا حنفي وكذا
لا ينبغي ان يؤخذ من كلام ابن
حجر ترجمة حنفي متقدم ولا متاخر [۵۲]

متعلق تو ان کا یہ طرزِ عمل ہے کہ جہاں تک ہو سکتا
ہے ان کی ان لغزشوں اور کمزوریوں کو جن
سے عام طور پر انسان نہیں بچ سکتا ظاہر کرکے
رہتے ہیں اور جب تک کسی ضرورت سے مجبور
نہ ہوں ان کے محاسن اور فضائل کے ذکر سے
غفلت برتتے ہیں۔ حنفیہ کے بارے میں ان کا حال
وہی ہے جو حنفیہ اور شافعیہ کے بارے میں ذہبی
کا ہے۔ یہاں تک کہ سبکی نے تصریح کی ہے کہ کسی
شافعی اور حنفی کا تذکرہ ذہبی کے کلام سے نہیں
لینا چاہئے۔ پس اسی طرح ابن حجر کے کلام سے
بھی کسی حنفی کا تذکرہ نہیں لینا چاہئے خواہ وہ
متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے۔

متقدمین ائمہ جرح وتعدیل میں سے دو حافظوں کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ایک طبقات
ابن سعد دوسری کتاب الاسماء والکنی مصنفہ حافظ ابو بشر دولابی ان دونوں کتابوں میں نوح بن ابی مریم
کا تذکرہ موجود ہے لیکن جرح کا ایک حرف منقول نہیں [۵۳] حالانکہ ابن سعد کی طبیعت میں اہلِ عراق سے
جو انحراف ہے وہ خود حافظ ابن حجر کو بھی تسلیم ہے [۵۴] اور بلاشبہ انہوں نے طبقات میں ائمہ عراق کے بس
میں جو کلام کیا ہے اس سے اس دعوی کی پوری تائید ہو جاتی ہے۔ اسی طرح متاخرین میں حافظ

---

۵۲ ہدی الساری جلد ۲ ص ۱۶۲ ۵۳ دیکھو طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۰۴ طبع لیڈن اور کتاب الاسماء والکنی جلد ۱ ص ۵۸ طبع دائرۃ المعارف
۵۴ تعلیقات ذیول تذکرۃ الحفاظ للاستاذ زاہد الکوثری ص ۳۳۵ طبع مصر

عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں اور علامہ محمود بن سلیمان کفوی نے کتائب اعلام الاخیار میں ذہبی اور ابن حجر کے بعد مفصل تذکرہ کیا ہے۔[۳۵] لیکن جرح بالکل نقل نہیں کی ہے۔

اور صدر الائمہ موفق بن احمد مکی مناقب ابی حنیفہ میں رقمطراز ہیں۔

عربی	اردو
وابو عصمة نوح بن ابی مریم امام	اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم اہل مرو کے امام
اهل مرو ولقب بالجامع لانه کان له	ہیں یہ جامع کے لقب سے ملقب ہوئے کیونکہ ان
اربعة مجالس مجلس للمناظرة ومجلس	کی چار مجلسیں تھیں ایک مناظرہ کی ایک درس
للدرس الفقه ومجلس لمذاکرة	فقہ کی ایک حدیث اس کے معانی اور مغازی
الحدیث ومعرفة معانیه والمغازی و	کے مذاکرہ کی ایک معانی قرآن ادب اور نحو کی
مجلس لمعانی القرآن والادب والنحو	اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جمعہ کے
وقیل کان ذلك یوم الجمعة وقال	دن ہوتی تھی ابو سہل خاقان کا بیان ہے کہ نوح
ابو سهل خاقان انما سمی نوح الجامع لانه	کو جامع اس لئے کہا گیا کہ ان کی چار مجالس تھیں
کان له اربعة مجالس مجلس للاثر ومجلس	ایک حدیث کی دوسری امام صاحب کے اقوال
لاقاویل ابی حنیفة ومجلس	کی تیسری نحو کی چوتھی اشعار کی، یہ ائمہ کبار
للنحو ومجلس للاشعار وکان من	میں سے ہیں، وہ ان کی جلالت قدر ہی کی بنا
الائمة الکبار ولجلالة قدره	پر ان سے شعبہ اور ابن جریج جیسے ائمہ نے
روی عنه شعبة وابن جریج وهما	حدیثیں روایت کی ہیں اور شعبہ آخر شعبہ اور
ومع هذه الجلالة لزم ابا حنیفة	ابن جریج آخر ابن جریج ہی ہیں نوح نے باایں
وروی عنه الکثیر ولما مات	ہمہ جلالت قدر امام ابوحنیفہ کی خدمت میں

---

۳۵ دیکھو الجواہر المضیہ جلد ۱ ص ۳۶۵ و ۳۶۶۔ کفوی کی کتاب کا قلمی نسخہ ٹونک کے کتبخانہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔

فقعد ابن المبارک علی بابہ ثلاثۃ ایام یعنی للتعزیۃ رحمہ اللہ ؎۱ | حاضری کا التزام کیا اور ان سے کثیر روایتیں کیں جب نوح کی وفات ہوئی ہے تو ابنِ مبارک تین دن تک ان کے دروازہ پر تعزیت کے لئے بیٹھے رہے۔ رحمہ اللہ

اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مقالہ دراز ہو گیا اور بہت سے مباحث قصداً ترک کرنے پڑے تاہم اس کی برابر کوشش کی ہے کہ حدیث کا علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے اس میں کچھ نہ کچھ دلچسپی کا سامان موجود رہے کہ ؎

زخط لالہ رخاں شد فراغتم ذائر
دلم بخطِ حدیث اقتدار پیدا کرد

؎۱ مناقب موفق جلد ۲ ص۱۱۱